سہ ماہی

جہان طب

جلد — ۱۳

شمارہ — ۲

اکتوبر — دسمبر ۲۰۱۱ء

مدیر اعلیٰ

پروفیسر حکیم سید شاکر جمیل

ڈائرکٹر جنرل، سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن، نئی دہلی

مجلس مشاورت

حکیم سیف الدین احمد

حکیم مظہر سبحان عثمانی

پروفیسر انیس احمد انصاری

پروفیسر اختر الواسع

حکیم سید غلام مہدی

پروفیسر حکیم محمد طیب

حکیم سید خلیفۃ اللہ

پروفیسر حکیم سید ظل الرحمٰن

پروفیسر وی، ایچ طالب

حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی

مجلس ادارت

حکیم خالد محمود صدیقی، حکیم سید محمد حسان نگرامی

حکیم ضیاء الدین احمد ندوی، ڈاکٹر شمشاد احمد، مہر عالم خاں

معاون مدیر

حکیم وسیم احمد اعظمی

صدر دفتر

سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن

۶۵—۶۱، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جنک پوری

نئی دہلی—۱۱۰۰۵۸

فون: +91-11- 28521981

+91-11- 28525982-3

+91-11- 28520846,28522524

+91-11- 28525831,52,62,83,97

+91-11- 28520501

فیکس: +91-11- 28522965

ای میل: unanimedicine@gmail.com

ویب سائٹ: http//www.ccrum.net

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ

سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن

۶۵—۶۱، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جنک پوری

نئی دہلی—۱۱۰۰۵۸

قیمت فی شمارہ : ۵۰ روپے

سالانہ زر تعاون: ۲۰۰ روپے

ناشر و طابع

ایڈمنسٹریٹیو آفیسر

سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن

۶۵—۶۱، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جنک پوری

نئی دہلی—۱۱۰۰۵۸

کمپوزنگ

مونس کمپیوٹر سنٹر، جوگا بائی ایکسٹینشن

جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

مطبع

انڈیا آفسیٹ پریس

اے-۱، مایا پوری انڈسٹریل ایریا، فیز-۱، نئی دہلی-۱۱۰۰۶۴

ترتیب

اداریہ	مدیر اعلیٰ	۵
کافور کی طبّی افادیت: قرآن حکیم، حدیث نبوی ﷺ اور طب کی روشنی میں	حکیم سید محمد حسان نگرامی	۷
طبّی مخطوطات کی تلاش کے اہم ذرائع: تذکرے اور تاریخ طب کی کتابیں	حکیم وسیم احمد اعظمی	۱۰
عربی عہد میں وبائیات کا موضوع—ایک جائزہ	حکیم بلال احمد، حکیم محبوب السلام	۳۴
مدرسہ طبیہ دہلی	حکیم فخر عالم	۳۸
ڈبۂ اطفال	حکیم محمد فضیل، طبیبہ سعدیہ نکہت	۴۴
غذائی تدابیر باعتبار مزاج	حکیم نسیم احمد، حکیم ملک محمد وامق امین، حکیم خالد زماں خاں	۵۵
علم الجراحت کا ارتقاء قرونِ وسطیٰ میں	حکیم معراج الحق، حکیم امان اللہ، حکیم احمد سعید	۵۸

اداریہ

قدیم ورثہ کا تحفظ آج کی اہم ترجیحات میں ہے۔ اس ورثہ کا تعلق مکمل انسانی معاشرہ اور تہذیب وثقافت سے ہوتا ہے۔ مخطوطات بھی قدیم تہذیبی ورثہ میں شمار ہوتے ہیں۔ طبّی مخطوطات کے تحفظ کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ اس کا تعلق تہذیبی ارتقاء کے ساتھ ہی علم وفن اور بدن انسانی سے بھی ہے۔ یونانی طب کا علمی سرمایہ اپنے دوسرے معاصر طریقہائے علاج کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ اس کے ادب میں کمیت کے ساتھ کیفیت بھی ہے۔ اس نظامِ علاج کا جس قدر بھی ادب ہمارے سامنے ہے، اس سے بدرجہا زیادہ ہماری نظروں سے پوشیدہ اور غیر مطبوعہ ہے، خواہ یہ علمی ادب عربی میں ہو، فارسی میں یا اردو میں۔ یہ مخطوطات ذاتی ذخیرۂ کتب میں بھی ہیں اور عوامی کتب خانوں میں بھی۔ عوامی کتب خانوں تک تو رسائی تو کسی طرح ہوسکتی ہے، لیکن ذاتی اور نجی ذخیروں تک رسائی بہت آسان نہیں ہوتی۔

تہذیبی ورثہ سے واقفیت اور اس کے تحفظ کو بین الاقوامی سطح پر بہت اہمیت دی جارہی ہے۔ بہت سے اداروں نے مخطوطات کے حوالہ سے کام کا آغاز بھی کردیا ہے اور متعدد علوم وفنون پر ان کے کیٹلاگ بھی شائع ہوگئے ہیں۔ ہندوستان میں طب یونانی کے کیٹلاگ کی اشاعت بہت سے عوامی کتب خانوں کی طرف سے ہوئی ہے، لیکن ذاتی ذخیروں اور نجی سرمایوں کے کیٹلاگ کی اشاعت تو کجا، ان تک رسائی کی کوئی منظّم کوشش بھی ہمارے علم میں نہیں ہو پائی ہے۔

بیرون ہند میں ترکی، ایران، مصر اور عراق کے عوامی کتب خانوں کے ذخیروں کی اطلاعات ان کی مطبوعہ اجمالی اور توضیحی فہرستوں سے ہمیں مل جاتی ہیں۔ مغرب میں بھی اس موضوع پر ماضی میں بہت کام ہوا ہے، منظّم انداز میں ہوا ہے اور کسی قدر آج بھی ہورہا ہے۔ لیکن ہندوستان میں طبّی ذخیروں، بالخصوص مخطوطات کے بارے میں صورتِ حال بہت بہتر نہیں ہے۔ عوامی کتب خانوں کے کیٹلاگ ضرور تیار ہوئے ہیں، لیکن انہیں پڑھنے سے ان میں مخطوطہ کی داخلی معلومات اور فنّی حیثیت کے تعین میں کمی کا احساس ہوتا ہے اور بعض اوقات فنّی کم مائیگی اور تکنیکی اضمحلال کا بھی پتہ چلتا ہے۔ کیوں کہ ان کی تیاری میں تجزیاتی عمل اور فنّی شعور کو بہت زیادہ دخل نہیں ہے۔ یہ کیٹلاگ بھی کئی دہائیوں پہلے کے تیار کیے ہوئے ہیں۔ اب ان کی باز طباعت سے کام چلایا جارہا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ کام تکنیکی افراد کے ہاتھوں اور تکنیکی ماہرین کی نگرانی میں انجام پائے۔ تاکہ جو بھی اور جس قدر بھی کام ہو، اس میں طب اپنے تمام تر امتیازات کے ساتھ سامنے آئے۔

آج کی سچائی یہ ہے کہ حالیہ دہائیوں میں جو مخطوطات دریافت ہوئے ہیں، ان کے توضیحی کیٹلاگ تیار نہیں ہوئے ہیں۔ صرف مجمل فہرستوں یا اجمالی اطلاعات سے کام چلایا جارہا ہے۔ اسلامی جمہوریۂ ایران نے ہندوستان کے عوامی کتب خانوں کے طبّی مخطوطات کے کیٹلاگس بڑے اہتمام سے شائع کیے ہیں۔ لیکن ان میں بھی تکنیکی تشنگی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔

دراصل ضرورت طبّی مخطوطات کے ایک ایسے یونیورسل کیٹلاگ کی ہے، جس میں مؤلف کے احوال اور علمی مقام کے تعین ساتھ اس مخطوطہ کی داخلی اہمیت اور

فنّی حیثیت کو طبّی آ گہی کے ساتھ واضح کیا جائے اور اس مخطوطہ میں کیا نیا ہے اور دوسرے مخطوطات سے کیوں منفرد ہے؟ اس کی بھی نشاندہی کی جائے۔ اگر کسی مخطوطہ میں ایک بھی نسخہ، ایک بھی تحریر ایسی مل جائے، جو علاج معالجہ میں ایک نکتہ کا بھی اضافہ کر سکے تو یہ ایک بڑی تحقیق ہوگی اور ایک بڑا کام ہوگا۔

طبّی مخطوطات کا یونیورسل کیٹلاگ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اس کی ترتیب و تہذیب اور تعمیر و تشکیل میں طبّی علوم کے ماہرین اور عصری شعور کے حاملین کی خدمات لی جائیں اور انہیں لوگوں کی وساطت میں یہ کام انجام پائے تو کام میں معیار بھی ہوگا، فنّی صحت بھی ہوگی اور تیقن کے عناصر بھی نسبتاً زیادہ ہوں گے۔ چوں کہ یہ کام اجتماعیت کا متقاضی ہے، اسی لیے اس کی پہل کسی ایسے ادارہ کی طرف سے ہونی چاہیے، جس کے پاس وسائل بھی ہوں اور باصلاحیت افراد کی ایک جماعت بھی۔ تب ہی اس اہم علمی اور قومی ضرورت کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ سی سی آر یو ایم نے اس سمت میں کچھ پیش قدمی کی ہے۔

[پروفیسر حکیم سید شاکر جمیل]
مدیر اعلیٰ

کافور کی طبّی افادیت: قرآن حکیم، حدیث نبویؐ اور طب کی روشنی میں

☆حکیم سید محمد حسان نگرامی

کافور ایک سفید قلمی [Crystalline] مادہ ہے۔ سن ناموم کیم فورا [Cinnamomum camphora] نامی درخت کی لکڑیوں سے نکلتا ہے، تائی وان، جنوبی جاپان، جنوبی چین، ہندوستان، پاکستان اور سری لنکا میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔

اس کا درخت ۲۰ سے ۳۰ میٹر لمبا ہوتا ہے۔ تنا بھی آٹھ سے دس فٹ موٹا ہوتا ہے۔ جاپان کے ارتقاء سے پہلے تائی وان میں اسے ایک اچھی صنعت کی حیثیت حاصل تھی۔ اس کی پتیوں کو کچل کر سونگھنے سے کافور کی مہک آتی ہے۔ ۵۰ سال کے بعد اس کے درخت سے کافور نکلتا ہے۔ عام طور سے بلند پہاڑی مقامات پر پیدا ہوتا ہے۔

کافور بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے تنے کے پتے پرت بنا کر ایک بڑے برتن میں بھاپ دیتے ہیں، کافور ٹھنڈک پا کر ایک دوسرے برتن میں منجمد ہو جاتا ہے۔

تاریخی جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ 'کیم' فرانسیسی لفظ ہے۔ وسطی لاطینی ممالک میں اسے 'کیم فورا' کہا گیا ہے۔ عربی میں اسے کافور اور سنسکرت میں کرپور اور عام زبان میں کپور کہتے ہیں۔[۳]

دنیائے اسلام میں اسے ابتداء سے اہمیت حاصل تھی۔ قرآن کریم میں مشروب کے فلے ور [Flavor] کے طور پر اس کے استعمال کا تذکرہ ملتا ہے۔ نویں صدی کے ماہر کیمیا اور طبیب الکندی نے اس کے بنانے کے طریقے اپنی کتاب میں لکھے ہیں۔

تحقیق آگے بڑھتی رہی ۱۹ویں صدی میں یہ معلوم کیا گیا کہ نائٹرک ایسڈ کے ساتھ کافور کو کمفورک ایسڈ میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی تحقیق گاوسن کے ذریعہ ۱۹۰۳ء میں منظر عام پر آئی۔ بہرحال کافور دواء، دافع تعفن کی حیثیت سے، خاص طور سے مُردوں کی ناک اور کان میں لگانا مسلمانوں میں عام تھا۔ نبی اکرمؐ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ قدیم طبّی ادبِ عالیہ میں اس کا تذکرہ تفصیل سے ملتا ہے۔

کافور اور قرآن کریم:

مشروب کے مختلف فلے ورس کے طور پر کافور کا تذکرہ سب سے پہلے جنت کی نعمتوں کے حوالہ سے قرآن مجید میں ملتا ہے۔ کافور کے سلسلہ میں قرآن کریم کی درج ذیل آیت ملاحظہ فرمائیے۔

> ان الابرار یشربون من کاسٍ کان مزاجھا کافوراً عیناً یشرب بھا عباداللہ یفجرونھا تفجیراً۔[۲]
>
> [ترجمہ: نیک بندے ایسے مشروب نوش کریں گے، جن میں کافور کی آمیزش ہوگی۔ یہ ایک ایسا چشمہ ہے، جس سے صرف اللہ کے بندے فیضیاب ہوں گے [انہیں اس کی اجازت ہوگی] کے وہ اس چشمہ کو جدھر چاہیں بہا کر لے جائیں۔]

کافور کے سلسلہ میں طبّی ادب کے مطالعہ سے اس کی خوشبو اور ٹھنڈک پہنچانے کی تاثیر سے اس طرح کے مشروب کے ذائقہ، افادیت اور

☆ڈپٹی ڈائرکٹر، سنٹرل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ آف یونانی میڈیسن، لکھنؤ

غذائیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مفسرین نے چشمۂ کافور پر بھی بحث کی ہے اور جنت کی ایک نہر عین الکافور کے حوالہ سے جنت کی ایک مخصوص نعمت کا تذکرہ کیا ہے۔[۴]

کافور اور احادیث نبویؐ:

نبی اکرم ﷺ کے حوالہ سے کافور کے سلسلے میں اسے میّت کے غسل میں استعمال کرنے کی بات ملتی ہے۔

اس سلسلے میں حضرت علیہ انصاریہ سے روایت ہے:

"دخل علینا رسول الله ﷺ حین توفیت ابنته فقال اغسلنها ثلاثاً او خمساً او اکثر من ذالک بماء و سدر و اجعلن فی الآخرة کافوراً او شیاً من کافور فاذا فرغتن فآذننی قالت فلما فرغنا آذناه فاعطانا حقوه فقال اشعرنها ایاه یحقوه ازاره"[۴]

[ترجمہ: جب نبی اکرم ﷺ کی بیٹی کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ اندر تشریف لائے اور فرمایا کہ اسے پانی اور بیر سے غسل دو، ۳، ۴ یا ۵ بار یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ، آخر میں کافور یا اس سے بنی ہوئی کوئی چیز استعمال کرو، پھر فرمایا کہ جب غسل ہو جائے تو مجھے اطلاع دو، چنانچہ جب ہم غسل کرا چکے تو آپ کو اطلاع دی۔ آپؐ نے اپنا تہبند دیا اور فرمایا کہ اسے اس کے بدن پر لپیٹ دو۔]

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کافور کی دافعِ تعفن اور دافعِ جراثیم خصوصیت سے یقیناً واقف تھے، اس لیے آپؐ نے اس کے استعمال کی ہدایت دی، جو آج تک ہمارے اسلامی معاشرہ میں پابندی سے رائج ہے۔

کافور اور اطباء قدیم:

طب کی قدیم کتابوں میں کافور کی بہت سی قسموں کا تذکرہ ملتا ہے، ماہیت اور مقام پیدائش کے لحاظ سے بھی اس کی متعدد قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

ابن بیطار نے مسعودی کے حوالہ سے کافور قیصوری کو شہر قیصور کی نسبت سے کافور کی ایک قسم لکھا ہے۔ مسعودی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس سال گرج، چمک اور زلزلے زیادہ ہوتے ہیں، اس سال کافور کی پیدائش بہت ہوتی ہے اور جس سال گرج، چمک اور زلزلے کے واقعات کم ہوتے ہیں، کافور کم پیدا ہوتا ہے۔[۵]

ابن سینا نے رباحی، فاردف، آزاد، اسفرک اور ازرق، قسموں کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن سینا نے لکھا ہے کہ کافور کی بعض قسمیں اس کی لکڑیوں میں پوشیدہ رہتی ہیں۔ بعض لکڑیوں کے اوپر یہ گوند کی شکل میں ملتا ہے۔ چیتا اس کے درخت کے سایہ کو بہت پسند کرتا ہے، چنانچہ وہ ایک مخصوص موسم میں اس درخت کے پاس آرام کے لیے آتا ہے۔

ابن سینا نے لکھا ہے کہ میں نے اس کی لکڑی دیکھی ہے، جو انتہائی بھربھری اور ہلکی ہوتی ہے۔ ان کی جوف میں کافور بھرا ہوتا ہے۔[۶]

اسحٰق بن عمران کے مطابق اسے سفالہ، بلادِ کلاہ، زنج اور ہریج سے حاصل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہریج یعنی چین کا کافور سب سے عمدہ ہوتا ہے، جس کا رنگ سرخ اور چمکیلا ہوتا ہے۔ اس درخت کی لکڑی، سفید، نرم اور سیاہی مائل ہوتی ہے۔ انہیں لکڑیوں کے اندر کافور ہوتا ہے، چنانچہ اس کا پہلا حصہ رباحی ہے اسے مخلوق بھی کہتے ہیں، جس کا رنگ چمکیلا ہوتا ہے اور اوپری حصہ سفید ہوتا ہے۔ اسحٰق بن عمران اس کے رباحی نام کے تعلق سے لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے کافور کی اس قسم کی دریافت شہنشاہ رباح نے کی تھی، اسی مناسبت سے رباحی کہتے ہیں۔

کافور کی جو قسم قیصور میں پائی جاتی ہے اسے 'قیصوری' کہتے ہیں، یہی قسم سب سے عمدہ ہے۔ یہ نرم ہوتی ہے سب سے زیادہ سفید اور دیر تک قائم رہتی ہے۔ اس قسم کی سب سے بڑی ڈلی ایک ساڑھے تین گرام کے سکّے کے برابر ہوتی ہے۔ اس کے بعد 'یالوس' نامی کافور عمدہ سمجھا جاتا ہے۔ اس میں درخت کافور کی لکڑیوں کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ کافور کی اس قسم کا حجم بادام، چنا، باقلا اور مسور کے برابر ہوتا ہے۔

کافور کی تیاری کے سلسلہ میں اسحٰق بن عمران لکھتے ہیں کہ اس کی سبھی قسموں کو عملِ تصعید کے ذریعہ صاف کیا جاتا ہے اور اس طرح سے شیشہ کی طرح صاف وشفاف کافور حاصل ہو جاتا ہے۔

اسحٰق بن عمران کے بموجب یالوس اور کیسبت نامی ۸۱۰ گرام غیر خالص کافور سے ۴۰۰ سے ۶۰۰ گرام خالص کافور ملتا ہے۔

ابن وافد نے بحر ہند و چین کے پہاڑوں کے کافور کا تذکرہ کیا ہے۔

کافور کا مزاج تیسرے درجہ میں سرد وخشک ہوتا ہے۔

زکریارازی نے لکھا ہے کافور میں سردی اور لطافت پائی جاتی ہے۔ یہ دردِ سر اور تمام گرم ورموں میں مفید ہے، کثرت سے استعمال کرنے اور سونگھتے رہنے سے بے خوابی کی شکایت ہوجاتی ہے۔ اس کو کھانے سے گردے، مثانہ اور خصیے سرد ہوجاتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ حابسِ شکم ہے اور بڑھاپا جلد لاتا ہے۔

بصری کے حوالہ سے ابن بیطار نے لکھا ہے کہ اس میں کسی قدر تیزی ہوتی ہے۔ غیر معمولی حرارت کے مریضوں میں درد اور تکلیف اس کے استعمال سے دور ہوجاتی ہے نیز صفراوی دستوں کے لیے بھی فائدہ مند ہے۔

مسیح دمشقی لکھتے ہیں کہ تازہ کھجور کے عصارہ میں اس کو حل کرکے ناک میں ٹپکانے سے نکسیر کا مرض ٹھیک ہوجاتا ہے۔

ابن بیطار نے تجربتین کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ کافور آنکھوں کے سوءِ مزاج حار میں مفید ہے۔ اس مقصد کے لیے اسے بطور سرمہ استعمال کرتے ہیں۔ تازہ دھنیا کے پتّوں کے پانی میں اس کو پیس کر ناک میں ٹپکانے سے نکسیر کا مرض درست ہوجاتا ہے۔ روغنِ گل میں حل کرکے ناک میں ٹپکانے سے سوءِ مزاج حار میں فائدہ ہوتا ہے۔ سوءِ مزاج مادی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کی علامت یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے ساتھ دردِ سر شروع ہوجاتا ہے اور جیسے جیسے سورج بلند ہوتا ہے درد میں شدت آتی جاتی ہے اور جیسے جیسے سورج کی تمازت میں تخفیف ہوتی جاتی ہے مادہ عروق ومجاری میں چپک جاتا ہے، اس صورت میں کافور کو روغن گل اور سرکہ میں ملا کر سر کے اگلے حصہ میں لگانے سے فائدہ ہوتا ہے۔

ابن سینا اس کی طبّی افادیت اس طرح بیان کرتے ہیں گرم ورموں میں بطور طلاء اس کا لگانا مفید ہے۔ کھانے سے گردہ اور مثانہ کی پتھریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ آشوبِ چشم حار کی دواؤں میں اسے شامل کرتے ہیں۔ قلاع کے لیے بھی بے حد مفید ہے۔ ابن سینا نے اسے گرم سمّیات کا مخصوص تریاق لکھا ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ کافور دانتوں کے تاکل کو پھیلنے سے روکتا ہے۔[۸]

اسحٰق بن عمران نے لکھا ہے کہ گرم مزاج لوگوں اور صداعِ صفراوی میں کافور تنہا یا آب گلاب اور صندل میں گوندھ کر سونگھنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ اس عمل سے اعضاء اور حواس کو قوت ملتی ہے۔ اس کو برابر سونگھتے رہنے سے قوتِ جماع ختم ہوجاتی ہے۔ اس کا کھانا اعلیٰ درجہ کا قاطع باہ ہے۔ ۱۶۰ ملی گرام کافور کو آبِ خس میں ملا کر روزانہ ناک میں ٹپکانے سے دماغ کی گرمی دور ہوجاتی ہے۔ نیند آنے لگتی ہے، دردِ سر ختم ہوجاتا ہے، نکسیر ٹھیک ہوجاتی ہے اور سیلانِ خون کی زیادتی میں فائدہ ہوتا ہے۔[۹]

کافور اور اطباء ہند:

ہندوستانی اطباء کے یہاں کافور متعدد امراض کے لیے خوردنی اور بیرونی طور پر مستعمل ہے۔ چنانچہ مفرح ہے، مقوی دماغ ہے، اسہال اور پھیپھڑوں کے زخموں کے لیے فائدہ مند ہے۔

- کاہو کے تیل میں حل کرکے ناک میں ٹپکانے سے نیند آجاتی ہے۔
- چنبیلی کے تیل میں ملا کر لگانے سے دانتوں کے درد میں سکون ملتا ہے۔
- خون رسنے میں کافور چھڑکنے سے خون بہنا بند ہوجاتا ہے۔
- دھنیا کی پتّی یا سرکہ میں پیس کر سر اور پیشانی پر لگانے سے دردِ سر زائل ہوجاتا ہے۔
- ناک میں ڈالنے سے نکسیر میں فائدہ ہوتا ہے۔

عام طور سے اطباء کافور کے اندرونی استعمال کی حوصلہ افزائی انہیں کرتے۔ بقول ڈاکٹر خالد غزنوی، بیرونی استعمال کے لیے کافور ایک لاجواب دوا ہے اور اسے ہر قسم کی کھجلی، درد، ورم اور سوزش میں پورے اعتماد کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

کافور بلغم کو نکالتا ہے اور تھوڑی مقدار میں کھانے سے محرک باہ ہے۔ ڈاکٹر غزنوی نے اس خیال کو غلط بتایا ہے کہ کافور نامردی پیدا کرتا ہے، اسے زیادہ مقدار میں کھانے سے مضر اثر ہوتا ہے۔ یہ خیال اطباء قدیم کے یہاں بھی ملتا ہے۔[۱۰]

اس کی دھونی سے مکھی، مچھر بھاگ جاتے ہیں۔

کافور کا کیمیاوی تجزیہ:

کافور کے کیمیاوی اجزاء مختلف ممالک کے کافور میں مختلف تناسب میں پائے جاتے ہیں، چنانچہ تائی وان اور جاپان کے کافور کے درخت میں لائی نالول Linalool نے کی خاصی مقدار ملتی ہے۔ یہ ۸۰ سے ۸۵ فیصد تک

ملتا ہے۔

مدغاسکر کے علاقہ میں سائی نول Cineole ۴۰ سے ۵۰ فیصد تک ملتا ہے۔ اس علاقہ میں کافور کے درخت میں ملنے والے روغن فراری کو رے ون اس ترا Ravinstra کہتے ہیں۔[11]

مجموعی طور پر کافور کے درخت میں درج ذیل اجزاء ملتے ہیں:

کیمفر	Camphor
لائی نالول	Linalool
سائی نے اول	Cineole
نی رولی ڈول	Nerolidol
سیف رول یا برنیول	Safrole Borneol

کافور اور جدید طب:

طبِ جدید میں کافور کو دافعِ تعفن کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ خاص طور سے جلد کو نرم اور ملائم بنانے اور جلدی تعفن کے لیے اسے اکسیری حیثیت حاصل ہے۔ اسی بناء پر مختلف کریم، لوشن، دھوپ کے اثرات سے محفوظ رکھنے والی کریم اور بام میں شامل کرتے ہیں۔

- مسکن الم [Analgesic] کے طور پر کافور کو عضلات کے ورم، چوٹ، جوڑوں کے درد، کمر درد کے مختلف مراہم، روغنیات اور لوشن میں شامل کرتے ہیں۔
- منفث بلغم [Expectorant] تاثیرات کی بناء پر کافور کا بھپارہ بے حد مفید ہے۔ اس کے علاوہ اس سے تیار کردہ ٹنکچر کافور تنفس کی التہابی کیفیت دور کرنے کی وجہ سے کھانسی کے شربت میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

مخدر [Anaesthetic] تاثیر کی وجہ سے کافور سے بنے کریم اور لوشن درد کو تسکین، کیڑے مکوڑے کے کاٹنے سے جلن کو کم کرنے کے لیے بے حد مفید ہیں۔[12]

مراجع ومصادر

1. www.livestrong.com/0rticle/1167605 properties - camphor/tl/1x22hfpai/mb
2. Camphor at the Baline Etymology Dictionary

۳- القرآن المجید سورۃ الدہر ۵-۶

۴- موطا امام مالک

۵- ابن بیطار، الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، اردو ترجمہ: ج ۴، ص ۱۱۵

۶- ابن سینا، القانون فی الطب، آئی ایچ ایم ایم آر، نئی دہلی: ج ۲، ص ۲

۷- ابوبکر محمد بن زکریا رازی، الحاوی، دائرہ معارف اسلامیہ حیدرآباد دکن: ج ۲۱، ص ۲۷

۸- ابن بیطار، الجامع لمفردات، الادویۃ والاغذیۃ: ج ۴، ص ۱۱۶

۹- ایضاً: ج ۴، ص ۱۱۷

۱۰- ڈاکٹر خالد غزنوی، طب نبوی اور جدید سائنس، الفیصل لاہور: ج ۲، ص ۱۲۸

11. behava barflies www.crop watch/ org/ ravenaura / ravenitra%20 blleio% 20vi.0i pd6
12. www. Lives tromp /con/article 1160 75 -properties - camphor /h1221 hf/pgy/mb

●●●

طبّی مخطوطات کی تلاش کے اہم ذرائع
تذکرے اور تاریخ طب کی کتابیں

☆حکیم وسیم احمد اعظمی

برصغیر ہندوپاک میں طب یونانی کی جڑیں بہت گہری ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ یہی وہ خطۂ ارض ہے، جس میں یہ نظام علاج اپنے تمام تر اصول ومبادیات کے ساتھ رائج ہے۔ یہاں کے مزاج و ماحول میں اس کو ارتقاء کی نئی منزلیں اور یہاں کی عوام کوصحت و شفا کے نئے مفاہیم ملے۔ یہیں اس کے علمی سرمائے میں بھی اہم اضافات ہوئے۔ عربی میں بھی، فارسی میں بھی اوراردو میں بھی۔ قدیم طبّی ادب عالیہ پرحواشی بھی لکھے گئے، شروح و تفاسیر بھی کی گئیں، ترجمے بھی ہوئے اورطبعزاد ادب بھی تخلیق ہوااوران کے چھپنے چھپانے کا سلسلہ بھی رہا۔لیکن یہ ایک بڑی سچائی ہے کہ یہ سرمایہ جتنا طبع ہوااس سے زیادہ غیرمطبوع رہا، جس قدر چھپا اس سے زیادہ چھپا۔ جس کے شاہد یہاں کے نجی اورعوامی کتاب خانے ہیں۔ عوامی کتاب خانوں کے ذخائر کی اطلاع تو ان کی فہرستوں سے مل جاتی ہے،لیکن نجی ذخیروں کے احوال سب پر منکشف نہیں ہوتے۔ان غیرمطبوع اورعوام الناس کی نظروں پوشیدہ مخطوطات کی معتبر اطلاعات کا ایک بڑا ذخیرہ تذکرے، تاریخِ طب کی کتابیں اورشخصیات وجائزے پرمبنی طویل ومختصر مضامین ہیں۔اگر ہم ان کتابوں میں مندرج عربی، فارسی اور اردو کی غیرمطبوع کتابوں کی صرف فہرست مرتب کردیں تو یہ تعداد سیکڑوں تک پہنچ سکتی ہے۔ یہ ایسے مخطوطات ہوں گے، جن کی اطلاع کتاب خانوں کی فہارس میں بھی نہیں ہوگی۔

ہم یہاں صرف چند کتابوں اور تذکروں مثلاً رموز الاطباء [حکیم محمد فیروزالدین]، تذکرہ اطباءِعہدعثمانی [حکیم شفا حیدرآبادی]، اسرارِصدری [حکیم علم الدین بھاگووالیہ]، تذکرہ خاندان عزیزی [حکیم سید ظل الرحمٰن] تکمیل الطب کالج لکھنؤ کے صاحبِ تصنیف اطباء [حکیم وسیم احمد اعظمی]، مطبوعہ جہانِ طب، نئی دہلی، جلد۴، شمارہ۱، ۲ اور تذکرہ اطبائے اودھ [حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی] کی روشنی میں عربی، فارسی اوراردو کے غیرمطبوعہ علمی آثار کا جائزہ لیں گے اور 'قیاس کن زگلستان من بہار مرا' کی درخواست کریں گے۔ یہاں یہ صراحت بھی ضروری ہے کہ ہم اپنے اس جائزہ میں سنوی ترتیب کا احترام نہیں کیا ہے، بلکہ زیرمطالعہ کتاب کی ترتیب بیان کومدنظر رکھا ہے۔

رموز الاطباء، جلداول میں جن اطباء کے عربی، فارسی اوراردو طبّی مخطوطات کی نشاندہی کی گئی ہے، ان کو یہاں نقل کیا جارہا ہے۔

ابوالحسنات حکیم مولوی قاضی محمود صمدانی:

انہوں نے طبّی علوم کی تکمیل حیدرآباد، دکن میں حکیم منصورعلی خاں مرادآبادی مدرس مدرسہ طبیّہ سرکار نظام اورافسرالاطباء حکیم سید احمد سعید امروہوی سے

☆اسسٹنٹ ڈائریکٹر [طب یونانی] سنٹرل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ آف یونانی میڈیسن، لکھنؤ

کی۔ ان کی تالیفات میں تحقیق کی شان ملتی ہے۔ اس بارے میں حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

''آپ بہت سی کتابوں کے مؤلف اور مصنف ہیں۔ کتابیں ایسی نہیں جیسی آج کل لکھی ہیں کہ ادھر ادھر سے اٹھایا اور جمع کر دیا، بلکہ محققانہ ہیں، جیسا کہ آپ کی ایک دو کتابوں اور طبّی مضامین دیکھنے سے پتہ چلتا ہے۔''[۱]

حکیم محمد فیروز الدین نے ان کی تالیفات حکایات الاطباء، رسالہ الحمیات، رسالہ الدماغ، رسالہ القلب، رسالہ معیار الاطباء، رسالہ ایجاد طبّی، رسالہ کحل البصر کو ان کی زبان کی صراحت کے بغیر 'غیر مطبوعہ' قرار دیتے ہوئے درج کیا ہے اور رسالہ حمام، رسالہ زینتِ انسان اور رسالہ براز کو فارسی زبان کی صراحت کے ساتھ 'غیر مطبوعہ' لکھا ہے۔[۲] رموز الاطباء کی تالیف کے وقت یہ حیات تھے۔

مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں:

طب یونانی کے انتہائی برگزیدہ فرد فرید، ہندوستان میں طب یونانی میں جدید تحقیق کے بانیوں میں سے ایک اور نئے ہندوستان کے عظیم معمار اور کثیر الجہات شخصیت کے حامل تھے۔ درس و افادہ اور مطب و سیاست میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ان کی متعدد تالیفات کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔

ان کی تالیفات رسالہ فی الترکیب الادویۃ واستخراج درجاتہا، المحاکمۃ بین القرشی والعلامۃ، حاشیہ علیٰ شرح الیٰ بحث السرسام اور اللغات الطبیۃ غیر مطبوع ہیں۔[۳] اللغات الطبیۃ کے لیے انہوں نے ایک مقدمہ 'مقدمۃ اللغات الطبیۃ' کے نام سے لکھا تھا، جو ۱۹۱۵ء میں مطبع مجتبائی، دہلی سے طبع ہوا ہے۔ مسیح الملک نے اپنے زمانہ قیام ریاست رام پور میں وہاں کے کتب خانے سے بھی استفادہ کیا تھا اور وہاں محفوظ طبّی مخطوطات پر حواشی اور تعلیقات تحریر کی تھیں۔ حکیم سید ظل الرحمٰن لکھتے ہیں:

''کتب خانہ رام پور کے طبّی مخطوطات پر ان کے قلم سے حواشی اور علمی یادداشتیں تحریر ہیں۔ ان کے یہ حواشی جو رضا لائبریری کے علاوہ خاندانی ذخیرہ اور طبّیہ کالج قرول باغ کی کتابوں میں محفوظ ہیں، اگر مرتب کیے جائیں تو اس سے ان کے علمی کارناموں کا مزید تعارف ہوگا۔''[۴]

حکیم احمد علی خاں:

ریاست جے پور کے ممتاز اطباء میں تھے اور بقاء الدولہ مسیح الملک بہادر کی جاں نشینی میں ان کو خاص مقام حاصل تھا۔ ان کے بارے میں حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

''اپنے بزرگوں کی طرح آپ بھی مشاہیر اطباء میں داخل ہیں۔ مطب سے فرصت کے بعد آپ کا وقت عزیز تالیفات و مشاغلِ علمیہ میں صرف ہوتا ہے۔ آپ ایک کثیر التالیف شخص ہیں۔ جس قدر آپ کی کتابیں مؤلفہ ہیں، اچھی کتابیں ہیں۔''[۵]

ان کی غیر مطبوعہ کتابوں میں رسالہ تشریح عظام: یونانی و ڈاکٹری سے بزبان اردو، اعجاز احمدی: چہار جلد مجلد ضخیم علم الامراض میں بہ زبان فارسی، کتاب علم العلاج یونانی میں جلد کلاں بہ زبان فارسی، کتاب علاج نسواں وصبیاں عام فہم فارسی، کتاب علاج نسیان [کذا] وصبیان عام فہم اردو، تدبیر حفظ صحت نسواں وصبیاں و امور متعلقہ قابلہ، کا تذکرہ حکیم محمد فیروز الدین نے کیا ہے۔[۶]

حکیم مولوی احمد الدین:

لاہور کے ممتاز اطباء میں تھے۔ درس وافادہ اور مطب کا سلسلہ تھا۔ مہاراجہ فرید کوٹ کے طبیب خاص تھے، ان کے علاوہ اور بھی راجاؤں سے معالجانہ وابستگی تھی۔ تصنیف و تالیف کا بڑا پاکیزہ مذاق رکھتے تھے۔ حکیم محمد فیروز الدین نے زبان کی صراحت کے بغیر ان کی تالیفات دستور العمل بکرمی، مفرداتِ احمدی، شرحِ احمدی، تریاقِ طاعون' حل قانونچہ اور کاشف الرموز کی نشاندہی کی ہے۔[۷]

حکیم غلام مصطفیٰ:

انہوں نے طبّی علوم کی تحصیل حکیم مولوی محمد بخش لاہوری سے کی تھی۔ اورینٹل کالج لاہور میں طب یونانی کے استاذ بھی رہے۔ حکیم محمد فیروز الدین نے ان کی متعدد کتابوں کی نشان دہی کی ہے، مطبوعہ کتابوں کے آگے 'مطبوعہ' لکھ ہے۔ لیکن رسالۃ النادرۃ فی تشریح الشرائین والاوردۃ کے آگے کچھ بھی نہیں لکھا ہے کہ مطبوعہ ہے یا غیر مبطوعہ؟[۸]

حکیم مولوی سید عبدالحئیؒ:

رائے بریلی کے اہم علمی خانوادے سے تعلق تھا، بعد میں خود بھی اس خانوادے کے لیے وجہِ افتخار بنے۔ طبّی علوم کی تحصیل افسر الاطباء حکیم حافظ عبدالعلی لکھنوی، حکیم عبدالعزیز لکھنوی بانی مدرسہ تکمیل الطب لکھنؤ اور حکیم حافظ عبدالولی سے کی۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے کئی حیثیتوں سے وابستہ رہے۔ مطب کا سلسلہ بھی تھا۔ حکیم محمد فیروز الدین نے ان کی 'معالجات' کی دو کتابوں کے غیر مطبوعہ ہونے کی اطلاع دی ہے۔[۹]

حکیم واحد علی خاں مسیح:

جے پور سے وطنی نسبت تھی۔ انہوں نے طبّی علوم کی تکمیل اپنے والد حکیم سید علی خاں سے کی تھی۔ مطب کے ساتھ درس وافادہ کا بھی سلسلہ تھا۔ انہوں نے بعض طبّی کتابوں پر حواشی اور شروح بھی لکھی ہیں۔ ان کی ایک غیر مطبوعہ تالیف 'رسالہ طاعون' کی نشان دہی حکیم محمد فیروز الدین نے کی ہے۔[۱۰]

حکیم سید محمد حسن:

مانگرول، کاٹھیاواڑ سے سکونتی نسبت تھی۔ معاملہ فہم اور صاحبِ تجربہ طبیب تھے۔ ان کے بارے میں حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

> "کیمیائے باسلیقا اور سمر قندی کی اہم اور نایاب کتاب کے ترجمہ اور شرحیں زیر تالیف ہیں۔" [۱۱]

حکیم سید بشارت علی خاں:

ریاست جے پور کے ممتاز اطباء میں تھے۔ طب کے علاوہ علوم نیّر جات، ہیئت، نجوم، رمل وجفر میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ زہد واتقیٰ میں ان کی مثال دی جاتی تھی۔ کثیر التصانیف تھے، اس وقت کے علوم متداولہ میں شاید ہی کوئی علم ہو، جس میں ان کی تالیفات نہ ہوں۔ ان کی تالیفات رسالہ تحقیق البرہان عربی کیفیت برہان میں، تقویت الابدان فارسی ادویۂ مفردہ ومرکبہ میں، زینت العلاج فارسی اغذیۂ مفردہ میں، حدیقۃ الاطباء دو جلد مبسوط فارسی مفردات میں، کشف الامراض فی حدود الامراض عربی میں، تسہیل العلاج فارسی معالجات میں، تجربۂ غریبہ فارسی قرابادین، تذکرۃ الامراض عربی، توضیح الامراض عربی تعریف امراض میں، واحد نامہ منظوم اردو خواصِ ادویہ میں، کی نشان دہی حکیم محمد فیروز الدین نے ان کے مطبوعہ یا غیر مطبوعہ ہونے کی صراحت کے بغیر کی ہے۔ [۱۲]

حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

> "آپ کے کتب خانہ میں شاید کوئی ایسی کتاب ہو، جس کو آپ نے ملاحظہ نہ کیا ہو اور اس پر حاشیہ نہ لکھا ہو۔ اگر ان سب کو یکجا جمع کیا جائے تو یقیناً ایک کشکول مبسوط تیار ہو جائے۔" [۱۳]

حکیم اکبر علی خاں:

ریاست جے پور سے وطنی نسبت تھی۔ انہوں نے طبّی درسیات کی تکمیل اپنے والد سے کی اور عم محترم حکیم برکت علی خاں سے مطب میں عملی تربیت حاصل کی۔ درس وافادہ کا بھی سلسلہ تھا۔ تصنیف وتالیف سے بھی مناسبت تھی۔ حکیم محمد فیروز الدین ان کی معالجانہ حذاقت اور علمی سرگرمیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "حکیم صاحب حتی الامکان معالجاتِ خارجیہ سے زیادہ کام لیتے ہیں اور علاج بالغذا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ معالجۂ امراض نساء وصبیان میں آپ کو خاص ملکہ ہے اور آپ بھی اہلِ تصنیف ہیں۔" [۱۴]

حکیم محمد فیروز الدین نے حکیم اکبر علی خاں کی ان تالیفات کی نشان دہی ان کے مطبوعہ یا غیر مطبوعہ ہونے کی صراحت کے بغیر کی ہے۔ شمس المعالجات فی تحقیقات الحمیات عربی، تریاقِ اکبر بزبان اردو حفظِ صحت میں، تحفۂ اکبری فارسی اغذیہ مرضیٰ میں، تصریح الامراض فی تعریف الامراض۔[۱۵]

حکیم راج روپ پو پلی:

حکیم رام دتا مل کے فرزند تھے۔ بلب گڑھ کے قصور سے وطنی نسبت تھی، ان کے خاندان میں طبِ یونانی صدیوں سے رائج تھی اور اسی حوالہ سے یہ خاندان جانا جاتا تھا۔ ان کی تالیفات کے بارے میں حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

> "آپ کی تالیفات میں سے بہت سی کتب ہیں، مثلاً قرابادین پوپلی، خزینۃ الاطباء ۵ جلد، کلید حکمت ۷ جلد، تحفۃ المساکین، تحقیقاتِ صبیہ وغیرہ، لیکن ان میں سے کوئی کتاب نہیں چھپی۔ بہر حال آپ نے ایک بہت عرصہ ان کتابوں کی تالیف میں صرف کیا ہے۔" [۱۶]

قاضی حکیم مولوی عبدالرحمٰن:

ریاست چرکھاری سے وطنی نسبت تھی۔طبّی علوم کی تکمیل حکیم مولوی محمد حسین طبیب خاص ریاست چرکھاری، حکیم محمد حیات، حکیم آغا حسین لکھنوی اور حکیم حسین خاں سے کی۔مطبِ عملی حکیم محمد عبدالغفور اور حکیم مولوی حسین رضا سے سیکھا۔ان کی متعدد تالیفات کی نشان دہی حکیم محمد فیروز الدین نے مطبوعہ یا غیر مطبوعہ ہونے کی صراحت کے بغیر کی ہے۔لکھتے ہیں:

''آپ کی تالیفات میں چھبیس ستائیس رسایل ہیں، جن میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں:

قرابادین کبیر رحمانی، ایضاً صغیر رحمانی، اکسیر باہ، کتاب الاشفاع بما یعین و یقوی علیٰ الاجماع ، عمدۃ القانون فی علاج الطاعون۔''[۱۷]

قاضی حکیم مولوی عبدالرحمٰن نے اپنی ان تالیفات میں حکیم آغا حسین لکھنوی، حکیم سید امان علی [جوان کے بزرگوں سے گزرے ہیں]، حکیم سید امام علی شاہ لاہوری، حکیم کاشی پرشاد جہاں آبادی، حکیم ابراہیم لکھنوی، حکیم عبدالعلی لکھنوی، حکیم عبدالولی لکھنوی اور حکیم عبدالحفیظ لکھنوی کے نسخۂ جات مجربہ بھی درج کیے ہیں۔[۱۸]

ان کی دیگر تالیفات کے بارے میں حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

''خواصِ ہد ہد، مدار، ککرونده، تھوہر، برگد، ستیاناسی، ریٹھ وغیرہ پر علحدہ علحدہ رسایل بھی تحریر کیے ہیں۔'' [۱۹]

حکیم مولوی عبدالقیوم:

امروہہ سے وطنی نسبت تھی اور اُس عہد کے ممتاز اطباء میں شمار کیے جاتے تھے، معالجہ میں ادویۂ مفردہ کو ترجیح دیتے تھے۔تصنیف و تالیف کا بھی سلسلہ تھا۔حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

''اسرار الطب، جو معالجات میں نایاب کتاب ہے، جس میں اکثر علاج مفردات سے لکھا گیا ہے اور اگر کہیں مرکب دیا ہے تو تین جز سے زیادہ نہیں۔اسرار رحیمی قرابادین میں، جس میں خاندانی مجربات کو تفصیل سے لکھا ہے اور جس میں مرکب کے ساتھ اس کے اختراع [کذا] کا نام اور وقتِ تالیف تک کے اضافات درج ہیں۔''[۲۰]

حکیم مولوی اسرار الحق:

امروہہ سے وطنی نسبت تھی۔طبّی علوم کی تکمیل حکیم عبدالسلام، حاذق الملک اوّل حکیم عبدالمجید خاں دہلوی اور حکیم محمد واصل خاں دہلوی سے کی۔تصنیف و تالیف سے بھی مناسبت تھی۔حکیم محمد فیروز الدین ان کی تالیفات کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دافع الطاعون رسالہ طاعون پر، خواصِ ادویہ جس میں جملہ امراض کی چند در چند بالخاصہ دوائیں مجرب و معتبر اطباء و حکمائے سابقین تحریر ہیں۔سرالاسرار فن معالجات کی مبسوط کتاب۔''[۲۱]

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''یہ معلوم نہیں کہ طبع بھی ہوئی ہیں یا کیا؟''[۲۲]

حکیم سید احمد شاہ:

شکار پور سادات سے وطنی نسبت تھی، ریاست بھیکم پور میں سکونت اختیار کی۔ان کا مطب بہت بھرا پڑا تھا۔تصنیف و تالیف کا بھی مذاق تھا۔حکیم فیروز الدین لکھتے ہیں:

''آپ نے مختلف علوم و فنون میں کتابیں تصنیف و تالیف فرمائی ہیں، جو ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہیں۔آپ ان کا اظہار قبل اشاعت ناپسند فرماتے ہیں۔اسی لیے ان کی تفصیل دینے سے مجبور ہوں۔''[۲۳]

حکیم مولوی عبدالعزیز عاجز:

مظفر پور، بہار کے ایک چھوٹے سے گاؤں 'بھوساہی' سے وطنی نسبت تھی۔معروف اطباء میں شمار کیے جاتے تھے۔طبّی علوم کی تحصیل اپنے والد حکیم مولوی سید شاہ عبدالرحمٰن سے کی۔ تصنیف و تالیف سے بھی دلچسپی تھی۔ان کی تالیفی خدمات کے بارے میں حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

''آپ ایک کتاب بنام 'تجربات عزیزیہ' تحریر فرمارہے ہیں، جس میں کل امراض کا ہندوستان و بنگالہ کی پیدا شدہ بوٹیوں سے بعدِ تجربہ علاج لکھا جارہا ہے اور جلد ختم ہونے والی ہے اور امید ہے دارالکتب رفیق الاطباء کو بغرض عنایت فرمادیں۔''[۲۴]

حکیم مولوی محمد حسن رضا خاں:

ان کا خاندان نقلِ وطن کر کے کشمیر سے لکھنؤ آ گیا تھا۔اس کے بعد

ریاست بنارس اور رام پور سے بھی وابستگی ہوئی۔حکیم محمد فیروز الدین نے لکھا ہے کہ یہ صاحبِ تالیف اور ممتاز طبیب تھے۔[۲۵]

حکیم محمد ہادی رضا خاں:

ریاست رام پور کے افسر الاطباء حکیم مولوی محمد حسین لکھنوی کے فرزند تھے،طبّی علوم کی تکمیل اپنے والد ماجد سے کی۔مطب بھی مرجع مرضاء تھا،لکھنے پڑھنے کا بھی شوق تھا۔حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

''آپ نے الماعون فی علاج الطاعون اچھا رسالہ لکھا ہے۔ حال میں ایک کتاب قرابادین رضائی تالیف کی ہے،جس میں سینکڑوں مرکبات مع حل لغات وتفصیل اوزان وخواص وغیرہ درج ہیں۔''[۲۶]

حکیم محمد شفیع:

ساڈھورہ، انبالہ سے وطنی نسبت تھی۔حکیم سید امیر اللہ شاہ سے طبّی درسیات کی تکمیل کی اور مطب سیکھا۔حکیم محمد فیروز الدین نے ان کی ایک غیر مطبوعہ تالیف کا تذکرہ ان لفظوں میں کیا ہے:

''آپ کی تالیفات میں سے علاج مفردات پر ایک رسالہ ہے،جو تا حال طبع نہیں ہوا''[۲۷]

حکیم مفتی محمد انور قریشی:

حکیم مفتی غلام سرور کے فرزند تھے،لاہور کے کوچۂ مفتیان میں سکونت تھی۔انہوں نے طب کی تعلیم اپنے والد اور جامع الکمالات حکیم سید نجف علی شاہ سے پڑھیں اور مطبِ عملی کی تربیت حاصل کی۔ان کی ایک تالیف کی نشان دہی کرتے ہوئے حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

''آپ نے ایک کتاب موسوم بہ مجربات انوری اپنے نام پر لکھی ہے،جو عنقریب طبع ہوگی۔''[۲۸]

لیکن یہ کتاب شائع ہوئی یا نہیں؟اس کی کوئی خبر نہیں ہے۔

حکیم کریم بخش:

طبّی علوم کی تکمیل حکیم مولوی خان محمد اور حکیم مولوی قادر بخش ڈیرہ خاں سے کی۔کشتہ سازی میں بھی مہارت تھی۔متعدد کتابوں کے مؤلف تھے، جن میں سے بیشتر طبع ہو چکی ہیں۔حکیم محمد فیروز الدین نے ان کی تالیف 'کتاب معالجات' کے تا حال نہیں چھپنے کی اطلاع دی ہے۔[۲۹]

حکیم محمد فتح یاب خاں ادراک:

مختلف علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے،سنسکرت کی سمجھ رکھنے کی وجہ سے ویدک طریقۂ علاج پر بھی نظر تھی۔علم مسمر یزم،تصوف اور علم نباتات میں اکثر غور وخوض کرتے رہتے تھے۔ان کی تالیفات کے بارے میں حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

''آپ کی تالیفات میں سے دس بارہ ہیں،مثلاً قوتِ باہ،علاجِ آتشک،جذام،رسالہ مسہل ومنضج،علاج اطفال وعورات کے بیان میں مختلف رسائل لکھے ہیں،جن کے نام مقرر ہیں،مہرہ مار جو دار الکتب رفیق الاطباء،لاہور میں چھپا ہے،آپ ہی کی تالیف ہے۔ آپ نے ناڑی گیان ترنگی اور چال ویدک کتب کا ترجمہ بھی کیا ہے۔عقدۃ الرجال مفتاح الاکسیر بھی آپ کی تالیفات میں ہیں۔مگر سوائے مہرہ مار کے معلوم نہیں کہ اور کون کون سے رسائل چھپے ہیں؟۔''[۳۰]

ابوالحذق حکیم سید مظفر علی نقوی سہسوانی:

یہ مدرسہ تکمیل الطب،لکھنؤ کے نامور فرزندوں میں تھے۔حکیم عبد العزیز لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ان کی متعدد مطبوعہ کتابوں کی نشان دہی راقم حروف حکیم وسیم احمد اعظمی نے اپنے ایک مقالہ 'تکمیل الطب کالج کے صاحبِ تصنیف اطباء' مطبوعہ سہ ماہی جہان طب، ج۴،شمارہ۱،۲،تکمیل الطب کالج نمبر،جولائی۔دسمبر۲۰۰۲ء میں کی ہے۔

حکیم محمد فیروز الدین ان کی تالیفات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''امراضِ وبائیہ پر ایک رسالہ مسمّی بہ العصمۃ عن الخطاء فی علاج الوباء اردو زبان میں لکھا اور کتاب غنیٰ کی تلخیص لکھ رہے ہیں۔''[۳۱]

حکیم قمر الدین قمر:

خدمتِ خلق میں ہمہ وقت مصروف اور اصلاحِ رسوم کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ان کی تالیفات کے بارے میں حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

''آپ کی تصنیفات وتالیفات مثل مجرباتِ قمر،—ہائی جن—بوجہ عدیم الفرصتی شائع نہ ہو سکے۔امید ہے کہ قریب میں طبع ہو کر ہدیۂ ناظرین ہوں گے۔''[۳۲]

لیکن ان کی اشاعت کی ہنوز اطلاع نہیں ہے۔

حکیم زاہد علی خاں:

علوم دینیہ وطبّیہ میں مہارت رکھتے تھے۔۱۸۸۳ءاوراس کے بعد حکیم دیبی پرشاد سے میزان الطب سے لے کر قانون تک کی کتابیں پڑھی تھیں اوران کا مطب بھی دیکھا تھا۔ان کی متعدد مطبوعہ کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حکیم محمد فیروز الدین نے غیر مطبوعہ تالیفات میں مفرداتِ زاہدی، مرکباتِ زاہدی، تشریحاتِ زاہدی اور مجرباتِ زاہدی کی نشان دہی کی ہے۔[۳۳]

حکیم منشی محمد عبدالصمد:

ناگ پور سے وطنی نسبت تھی۔ طب میں شُد بُد مطالعہ کے ذریعہ حاصل کی۔وہ طب میں دیگر معاصر طریقِ علاج کی آمیزش کے حامی تھے،اس سوچ کی بڑی وجہ باضابطہ شاگردی نہ اختیار کرنا تھا،طبّی مبادیات سے بھی کما حقہ واقف نہیں تھے، اسی لیے معالجہ میں دیگر طریقِ علاج کی آمیزش کی حمایت کرتے تھے۔تصنیف وتالیف سے بھی شغف تھا۔حکیم محمد فیروز الدین نے ان تالیفات کی نشان دہی مطبوعہ یا غیر مطبوعہ کی صراحت کے بغیر ان لفظوں میں کی ہے:

’’آپ کی تالیفات سے علم طب میں کتاب رہنمائے صحت اوراغذیۂ اصحاومرضیٰ کی غذا کے متعلق رسالہ قوت لایموت ہیں۔‘‘[۳۴]

حکیم تلوک سنگھ:

قانون گو بندوبست کی حیثیت سے ملازم تھے۔انہوں نے ذاتی طور طبّی کتابوں کا مطالعہ کیا تھااور سیال کوٹ، انبالہ، منٹگری اور ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے حکیموں سے بھی اکتسابِ فیض کیا تھا۔ان کو جڑی بوٹیوں اور کشتہ سازی سے غیر معمولی شغف تھا۔حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

’’آپ نے ایک کتاب بوٹی نامہ لکھی ہوئی ہے، جس میں مجربہ بوٹیوں کے حالات اوران کے ذریعہ کشتہ جات مجربہ بھی تحریر فرمائے ہیں،تاحال چھپی نہیں۔‘‘[۳۵]

چودھری ہزارہ خاں:

حکیم محمد فیروز الدین نے رموز الاطباء کی اسی جلد میں چودھری ہزارہ خان کی دو تالیفات رسالہ خضاب اور رسالہ ہر دلعزیز کا تذکرہ اشاعت کی صراحت کے بغیر کیا ہے۔[۳۶]

رموز الاطباء: ج ۲ میں جن اطباء کی غیر مطبوعہ عربی، فارسی اور اردو تالیفات کی نشان دہی کی گئی ہے،ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حکیم سید محمد ہاشم:

انہوں نے طب کی تعلیم حکیم سید مہدی علی لکھنوی، حکیم شیخ محمد علی اور حکیم سید غلام حسنین کنتوری سے حاصل کی تھی۔تصنیف و تالیف کا بھی پاکیزہ مذاق رکھتے تھے۔حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

’’آپ کی تصنیفات اکثر ہیں،لیکن ان میں سے ذیل کی دو کتابیں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔جو اہم ترین مسئلہ طبّیہ میں لکھی گئی ہیں اور جو ہنوز طبع نہ ہوسکیں۔کاش اہلِ فن ان نادر تصانیف کو شائع کریں، تاکہ قوم کو فائدہ پہنچے۔اہلِ علم ان کتابوں کے نام ہی سے ان مباحث کو سمجھ سکتے ہیں:

الف-درثمین فی تحقیق صلوح الطمث لغذاء الجنین

ب-ہدایۃ العقول فی تحقیق جواز الاسہال للمطول‘‘[۳۷]

مزید لکھتے ہیں:

’’ان کتب پر جناب حکیم محمد حسین عرف حکیم محمد جی اور جناب حکیم باقر صاحب لکھنوی نے نہایت طویل اور اعلیٰ درجہ کی تقریظیں تحریر فرمائی ہیں،جن سے ان رسائل کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔‘‘[۳۸]

حکیم مولوی محمد حسین:

ان کا شمار اہلِ طریقت بزرگوں اور نامور طبیبوں میں ہوتا تھا۔ فتح پور ہنسوہ میں منشی امام علی سے ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد کان پور چلے گئے، مولوی حافظ احمد حسن، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولوی حافظ نور محمد سے دینی تعلیمات کی تکمیل کی۔طب کی تعلیم حکیم باقر علی، حکیم تجمل حسین بلگرامی اور حکیم محمد فضل اللہ لکھنوی[مؤلف جامع الادویہ وافضل المقال] سے حاصل کی۔حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

’’آپ نے چند کتابیں بھی طب میں تالیف فرمائی ہیں۔‘‘[۳۹]

حکیم ہادی علی عُرف بڑے حکیم صاحب:

گیا، بہار سے وطنی نسبت تھی،طبّی درسیات کی کتابوں میں سدیدی تک کی تعلیم اپنے والد بزرگوار حکیم سید ہادی علی سے حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ تکمیل الطب لکھنؤ میں داخلہ لے کر حکیم عبدالعزیز سے طبّی علوم کی تکمیل کی اور ۱۳۰۵ھ میں سند حاصل کی۔

حکیم محمد فیروز الدین نے نام کی صراحت کے بغیر ان کی ایک تالیف کی نشان دہی کی ہے۔ لکھتے ہیں:

''تعلیم سے فارغ ہونے پر آپ کی طبیعت نے یہ رنگ اختیار کہ تجربہ کا حکم قیاس پر غالب ہے، لہذا اس بنا پر ایک کتاب بھی تحریر کی ہے، جو عنقریب ملاحظہ شائقین سے گذرے گی، ہر ایک مسئلہ مشاہدہ اور تجربہ کی کسوٹی پر پرکھ کر عملی صورت میں ثابت کیا ہے۔''[۴۰]

یہ کتاب رموز الاطباء کی اشاعت ۱۹۱۱ء تک غیر مطبوعہ تھی، لیکن حکیم محمد اسرار الحق نے مبہم طور پر اس کی اشاعت کی نشان دہی کی ہے اور اس کے بارے میں رموز الاطباء کی عبارت نقل کر دی ہے۔[۴۱]

حکیم سید ظل الرحمٰن نے تذکرہ خاندان عزیزی میں ان کی دو اور تالیفات مفتاح الطب اور مصباح الطب کا تذکرہ کیا ہے۔[۴۲]

حکیم مولوی سجاد حسین عرف عبدالرحمٰن:

آپ نے دینی علوم کی تکمیل کے بعد طب کی تحصیل کی اور یہ علم بہ تمام وکمال اپنے والد حکیم مولوی عطا حسین سے حاصل کیا۔ علم جفر، نجوم اور رمل کا بھی شوق تھا۔ حکیم محمد فیروز الدین ان کی ایک طبّی تالیف کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ کی طبیعت تحقیقات جدیدہ کی طرف زیادہ متوجہ رہتی ہے۔ آپ نے کئی سال کی تحقیقات کے بعد ایک رسالہ موتی جھرہ کی تحقیقات و معالجات میں تصنیف فرمایا ہے، جو عنقریب طبع ہونے والا ہے۔''[۴۳]

مزید لکھتے ہیں:

''ایک کتاب تدبیر بالدواء اور تصنیف فرما رہے ہیں۔''[۴۴]

ان دونوں کتابوں کی اشاعت کا ہمیں علم نہیں ہے۔

حکیم مولوی سید محمد ابراہیم:

انہوں نے طب کی تعلیم حکیم سید امیر بخش گلاوٹی، حکیم مولوی جان محمد دہلوی، حکیم محمود خاں دہلوی اور حکیم احسن اللہ خاں سے حاصل کی۔ مطب کے ساتھ درس و تدریس کا بھی سلسلہ تھا۔ حکیم فیروز الدین لکھتے ہیں:

''صدہا نسخے آپ کے اور آپ کے اساتذہ و بزرگان کے مختلف بیاضوں میں غیر مرتب موجود ہیں۔ اب تک کے جمع کرنے اور قرا بادینی صورت میں لانے موقع نہیں ملا۔ ارادہ ان کے جمع کرنے کا ہے، لیکن ہجوم فرائضِ منصبی اور کثرتِ اشتغال واوراد سے یہ قصد حیّزِ قوت سے فعل میں اب تک نہیں آیا۔ عدیم الفرصتی ہی ہمیشہ مانع تالیف و تصنیف رہی۔''[۴۵]

حکیم سید حیدر حسین لکھنوی:

یہ اپنے خاندان کے پہلے فرد تھے، جو طب کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور اس فن میں یکتا کہلائے۔ انہوں نے جن اساتذۂ طب سے اکتسابِ فیض کیا، ان میں حکیم میر طالب علی، حکیم مرزا مظفر حسین خاں بہادر، حکیم مرزا محمد جعفر طبیب اوّل شاہی شفا خانہ کا نام اختصاص کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ ان کے دستِ شفا کا شہرہ دور دور تک تھا۔ حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

''آپ کے خلقِ عمیم اور حذاقت و خدا ترسی کے سبب آپ کی طرف مرجعیت خلق ہونے لگی اور آپ نے اپنے دولت کدہ پر مطب اور درس شروع کر دیا، سینکڑوں طلاب علم کو نہایت تحقیق و تدقیق سے پڑھایا۔ انتہاء کی بات ہے کہ خود آپ کے اساتذہ نے آپ سے بعض اوقات اپنا علاج متعلق کیا ہے۔''[۴۶]

حکیم محمد فیروز الدین نے اشاعت کی صراحت کے بغیر ان کی درج ذیل تالیفات تذکرہ کیا ہے اور بھی لکھا ہے کہ یہ تالیفات کم وبیش ایک ہزار کتب طبیّہ قلمی و مطبوعہ کے مطالعہ کا لب لباب ہیں۔

تحقیق الحق فی توالی الیومین فی تعلیق العلق، العجاہ المفیدہ فی تحقیق الحمیٰ الجدیدۃ، المقالۃ البدیعۃ فی تحقیق الشعور للطبیعۃ، حاشیہ اقسرائی، حاشیہ سدیدی، حاشیہ نفیسی، حاشیہ شرح الاسباب والعلامات، حاشیہ کلیاتِ قانون، الہوامش الشاتّ علی الحمیات، کتاب الاغذیۃ، کتاب الادویۃ، حاشیہ میزان الطب فارسی زبان میں ہیں۔[۴۷]

حکیم سید حیدر حسین لکھنوی کی زندگی بہت مختصر رہی، اور طب کا یہ نیّر تاباں صرف ۴۹ سال کی عمر میں اکتوبر ۱۸۹۲ء میں غروب ہو گیا۔

حکیم سید جعفر حسین لکھنوی:

انہوں نے طب کی تعلیم اپنے والد حکیم سید حیدر حسین لکھنوی سے حاصل کی، شفاخانہ شاہی سے بحیثیت طبیب اگست ۱۸۹۱ء میں وابستہ ہوئے۔ ان کے مطب میں مریضوں کا اژدہام ہوتا تھا۔ حکیم محمد فیروز الدین رسالہ دربار

لکھنؤ مطبوعہ ۱۲ فروری ۱۹۱۲ء کے حوالہ سے ان کے مطب کی تعداد مریضان کی نسبت لکھتے ہیں:

''۱۹۱۰ء میں ۱۰۴۲۷ اور ۱۹۱۱ء میں ۱۰۸۳۵، جدید مریضوں کی تعداد تھی۔''[۴۸]

ان کی صرف ایک طبّی تالیف کا تذکرہ حکیم محمد فیروز الدین نے کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''آپ نے اپنے ذوقِ سلیم کے بناء پر ایک رسالہ بڑی کوشش سے لکھا ہے، جس کا نام ادبی ذوق کی بناء پر مطلع النیرین رکھا ہے۔ جس میں ادویۂ یونانی وانگریزی کا اتفاق اور تجربہ دکھایا گیا ہے۔ صاف عیاں ہے کہ آپ کی مہارت کا کیا درجہ ہوگا، جس کے لیے کسی دلیل کی احتیاج نہیں۔''[۴۹]

حکیم سید جعفر حسین لکھنوی کی طبّی خدمات کے اعتراف میں اس دور کے اخبارات رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ جن میں رسالہ دربار لکھنؤ، اودھ اخبار، اخبارِ ہند لکھنؤ، اخبار اثنا عشری دہلی اور اخبار قلقل بجنور قابل ذکر ہیں۔

حکیم مولوی محمد رکن الدین دانا:

ان کا شمار طب کے دبستانِ لکھنؤ کے نمائندہ اطباء میں ہوتا ہے۔ سہسرام، بہار سے تعلق تھا۔ علوم دینیہ کی تحصیل دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ میں کی اور طب کی تعلیم حکیم عبدالولی، حکیم سید محمد باقر اور حکیم عبدالعزیز لکھنوی سے حاصل کی۔ حکیم محمد فیروز الدین نے ان کی ایک غیر مطبوعہ تالیف 'رسالہ العنصر یات' کا تذکرہ کیا ہے۔[۵۰]

حکیم مولوی مرزا محمد مہدی لکھنوی:

ان کا شمار لکھنؤ کے ممتاز اور حاذق اطباء میں ہوتا ہے۔ مؤلف اور مترجم کی حیثیت سے بھی ان کی خدمات اہم ہیں۔ حکیم محمد فیروز الدین نے اشاعت کی صراحت کے بغیر ان کی درج ذیل طبّی کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔

''موضح القانون ترجمہ اردو موجز: یہ کتاب حالتِ طالب علمی کی تصنیف ہے۔ تشریحاتِ قطبیہ، رسالہ تریاقِ صغیر، رسالہ تریاقِ کبیر، رسالہ تریاقِ اربعہ، رسالہ جنین: اس میں بڑی خوبی سے تشریح جنین اور امراض حاملہ ومرضعہ رضیعہ لکھے ہیں۔ تلخیص الطب، علاج امراض از سر تا قدم: مبسوط کتاب ہے۔ شفاء الاسقام، الاثمار الجنیہ: اس میں مجرباتِ خاندانی کے اپنے مجربات کا کافی حصہ اضافہ کیا ہے۔ مجرباتِ مہدویہ [بحر ذاخر، شمس التجارب، افضل التجارب] یہ کتب ثلاثہ بطور قرابادین نہایت محنت اور عرق ریزی سے فارسی زبان میں تصنیف ہیں۔ الشذ ور الذہبیہ فی اسماء الکتب طبیہ عربی، الدرۃ البہیہ فی خواص الادویہ المفردہ فارسی، احسن التجارب از سر تا قدم معالجات میں ہے، فارسی''۔[۵۱]

حکیم میر اکرم علی:

ان کو فن افعال الاعضاء، خواص الادویہ علم معاون کیمیاء وغیرہ میں فوق العادت ملکہ تھا۔[۵۲]

اشاعت کی صراحت کے بغیر ان کی ایک تالیف کا تذکرہ حکیم محمد فیروز الدین نے کیا ہے، لکھتے ہیں:

''بطلانِ حرکتِ ابنیہ نبض میں زبان عربی کا ایک رسالہ ان کی تصانیف سے مشہور ہے۔''[۵۳]

حکیم سید تہور علی:

انہوں نے طبّی درسیات کی تکمیل حکیم سید محمد علی اور حکیم سید میر باقر علی سے کی تھی۔ مطب کے ساتھ درس وتدریس سے بھی شغف تھا۔ نفیسی، اقسرائی، شروح موجز اور شرح اسباب وغیرہ کتبِ درسیہ طلباء کو پڑھاتے تھے۔ حکیم محمد فیروز الدین نے ان کی غیر مطبوعہ تالیفات رسالہ حدود، تبصرۃ الاطباء اور ترجمہ حمیات قانون کا تذکرہ کیا ہے۔[۵۴]

حکیم سید علی الکریم صاحب قسطاس:

انہوں نے طب کی تعلیم حکیم نواب حامی الدین خاں، حکیم محمد ابراہیم لکھنوی سے حاصل کی تھی۔ ان کی سوچ عام روش سے ہٹ کر تھی۔ وہ اکابر اطباء کی بیاضوں سے نسخوں کی نقل در نقل کو معالجاتی نقطۂ نظر سے بے سود تصور کرتے تھے۔ اسی لیے اپنے دونوں اساتذہ کی بیاضوں سے ہزار اصرار کے بعد بھی نسخہ نقل کرنا گوارا نہیں کیا۔ ان کا کہنا تھا:

''مجرب نسخہ وہی ہوتا ہے، جو تشخیصِ صحیح کے موافق ہو، جو نسخہ دس جگہ مفید پایا جاتا ہے، گیارہویں جگہ بوجہ خلافِ مزاج ہونے کے غیر مفید ثابت ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کسی دواء مرکب یا مفرد پر مجرب کا خیال کیا جانا باطل ہے۔''[۵۵]

حکیم سید منور علی خاں:

فنِ طب میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ سید الحکماء کے لقب سے ملقب تھے۔ مطب کی تکمیل شریف خانی اور علوی خانی طرز پر کی تھی۔ حکیم محمد فیروز الدین نے ان کی دو کتابوں کا تذکرہ کیا ہے، رسالہ مباحثہ بحران تنبیہ الغافلین فارسی کا تذکرہ مطبوع ہونے کی صراحت کے ساتھ ہے۔ ان کی دوسری تالیف کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اسرار الاطباء فی علاج المرضیٰ نامی طب میں ایک پوری مطول کتاب موجود ہے، جس میں مفردات سے قطع نظر معالجات کا بھی حصہ دیدنی ہے۔''[٥٦]

حکیم سید محمد حسن:

انہوں نے علوم طبیّہ کی تکمیل اپنے والد حکیم سید وزیر علی شیدا اور حکیم شیخ محمد عبدالرحمٰن دہلوی سے کی۔ حکیم محمد فیروز الدین نے آپ کی ایک فارسی تالیف 'مفرداتِ حسن' کا تذکرہ کیا ہے۔[٥٧]

حکیم مولوی محمد رحیم اللہ امروہوی:

انہوں نے طبّی علوم کی تحصیل اپنے والد کے شاگرد حکیم محمد اشفاق رسول سے کی تھی۔ ان کا مطب مریضوں سے بھرا رہتا تھا۔ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ حکیم محمد فیروز الدین نے انہیں اپنے خاندان کا 'آفتاب طب' بتایا ہے اور ان کی علمی صلاحیتوں کے بارے میں لکھا ہے:

''اکثر طبّی درسی و غیر درسی کتابوں پر آپ کے حواشی موجود ہیں، جو بوجہ عدم توجہ آپ کی اولاد، طبع نہیں ہو سکے۔''[٥٨]

حکیم مولوی محمد عبدالقیوم امروہوی:

انہوں نے طب کی تعلیم اپنے والد حکیم مولوی رحیم اللہ امروہوی سے حاصل کی اور ان کے مطب میں رہے، بعد میں اپنے بھائی حکیم عبدالسلام امروہوی سے مطب عملی کی تربیت حاصل کی اور علاج معالجہ میں گوئے سبقت لے گئے۔ حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

''آپ کے بڑے بھائی کو بھی آپ کی ذات پر فخر تھا۔ اکثر پیچیدہ و دقیق مسائل طبیّہ یا عسیر العلاج مریضوں کے معالجات میں آپ سے مشورہ لیتے تھے۔ تعلیم کا سلسلہ آپ نے ہمیشہ جاری رکھا۔ صدہا طلباء طبّی و منطق تعلیم سے فیض یاب ہوئے۔''[٥٩]

رموز الاطباء کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ حکیم محمد فیروز الدین سے ان کی رسم و راہ تھی۔ انہوں نے امروہہ جا کر ان سے ملاقات بھی کی تھی۔ ان کی علمی خدمات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''منجملہ آپ کی خصوصیات کے ایک استعداد و قابلیت تالیف و تصنیف خداداد تھی۔ قریباً بہت سے علوم میں آپ نے تالیفات فرمائی ہیں۔ جن میں سے یہاں خاص طبّی تالیفات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ دو مبسوط کتابیں آپ کی میں نے خود امروہہ جا کر دیکھیں۔''[٦٠]

حکیم محمد فیروز الدین ان کتابوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اسرار الطب: معالجات میں بہت مفصل طور پر تالیف فرمائی ہیں۔ سر سے پاؤں تک تمام امراض کے اسباب و علامات و معالجات مختصراً نہایت عمدہ بیان کیے ہیں۔ ایک خاص رعایت رکھی ہے کہ کوئی نسخہ اس تمام کتاب میں تین ادویہ سے زائد کا نہیں ہے۔ دو جلدیں ہیں۔ ایک میں از سر تا قدم امراض مخصوصہ بالاعضاء کا تذکرہ ہے اور ایک جلد میں امراضِ عامہ بالبدن کا ذکر ہے۔''[٦١]

ان کی دوسری کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اسرار رحیمی: یہ ایک مبسوط قرابادین ہے۔ جس میں دو رعایتیں رکھی گئی ہیں۔ ایک حروف تہجی کی رعایت، دوسرے امراض کی۔ ہر عضو کے امراض میں تمام مجربات اطریفل سے یاقوتی تک مرقوم کیے ہیں۔ ساتھ ہی مخترعہ نسخہ کا نام، اس کی ترمیمات اوزان طبّی، مروجہ مرکبات کی تعریف اور ان کے بنانے کے طریق بھی تحریر فرمائے ہیں۔''[٦٢]

مزید لکھتے ہیں:

''ان کے علاوہ ایک رسالہ نبض و قارورہ کے بیان میں اور ایک نظریاتِ طب میں۔ تین مطب تحریر فرمائے ہیں، اپنے تینوں صاحب زادوں کو جدا جدا مطب عطا فرمائے ہیں اور مختلف رسالے اور بیاضیں بہت ہیں۔ غرض علاوہ مطب و ضروریات دینی و دنیاوی کے تمام وقت آپ کا تالیف میں ہی صرف ہوتا تھا۔''[٦٣]

حکیم ہدایت علی عثمانی نیوتنی:

عربی درسیات کی تکمیل کے بعد طبّی علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور

حکیم محمد ابراہیم لکھنوی سے مسلسل آٹھ سال تعلیم حاصل کی۔ان کی متذکرہ ذیل غیر مطبوعہ تالیفات کا تذکرہ حکیم محمد فیروز الدین نے کیا ہے۔

''ہدایت العلاج عربی: جوزمانۂ حال کے طرزِ علاج کو مدنظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب آپ نے ریاست جھالراپٹن کی ملازمت کے زمانہ میں تحریر فرمائی تھی، جسے آپ کے استاذ صاحب جناب حکیم محمد ابراہیم صاحب نے دیکھ کر بہت پسند کیا تھا۔

مطب جید: قرابادین کے طریق پر، جس میں آپ کے خاندان کے اورآپ کے مجربہ نسخہ جات درج ہیں۔

درۃ التاج: جواہر بنانے کی تراکیب کا اس میں ذکر ہونے کے علاوہ بیش بہا ادویہ مثلاً کہربا، مروارید، مشک وغیرہ وغیرہ کی ساخت پر بحث کی گئی ہے۔

ہدایت الصنعت :—— سب کتابیں اس وقت تک غیر مطبوعہ ہیں۔''[۶۴]

راقم حروف حکیم وسیم احمد اعظمی نے سہ ماہی جہان طب، نئی دہلی، جلد۴، شمارہ ۱،۲، جولائی - دسمبر ۲۰۰۲ء کے تکمیل الطب کالج نمبر میں شائع اپنے ایک مقالہ میں حکیم مولوی ہدایت علی عثمانی کے احوال وعلمی آثار پر گفتگو کی ہے۔

حکیم مولوی محمد مصطفیٰ:

انہوں نے طبّی علوم کی تحصیل حکیم عبدالمجید دہلوی، حکیم قیام الدین دہلوی، حکیم عبدالعزیز لکھنوی اور حکیم محمد ابراہیم لکھنوی سے کی۔گویا یہ طب کے دبستانِ لکھنؤ اور دہلی کا حسین امتزاج تھے۔دق کی تشخیص اور علاج میں ان کو ایسا ملکہ خاص تھا کہ لکھنؤ اور دہلی میں کوئی بھی ان کا مدمقابل نہیں تھا۔ان کی طرف بعض طبّی ایجادات بھی منسوب ہیں، جن میں فیور مکسچر، نوایجاد قرع انبیق، زہرمار، تریاق اللذع، سرمہ زہرمار، آسمانی گھڑی، گرم وٹھنڈے پانی کی مشین شامل ہے، لیکن ان کی کیفیت نہ معلوم ہونے پر حکیم محمد فیروز الدین نے تاسف کا اظہار کیا ہے۔[۶۵]

حکیم محمد فیروز الدین نے اشاعت کی صراحت کے بغیر ان درج ذیل تالیفات کا تذکرہ کیا ہے۔

''طب مستورات: یہ ایک رسالہ ہے، جس میں عورتوں اور بچوں کے امراض اور ان کے علاج لکھے ہیں۔اس میں یہ التزام ہے کیا گیا ہے کہ معمولی اور کثیر الوقوع امراض کے علاج لکھے گیے ہیں اور مشکل امراض کے مختصر علامات بیان کرکے ہدایت کردی گئی کہ ان کے علاج میں عورتیں خود جرأت نہ کریں، طبیب سے رائے لیں۔ ہر مرض کے تین تین نسخے لکھے ہیں۔ایک غریبانہ، ایک امیرانہ اور ایک متوسط۔ یہ رعایت رکھی گئی کہ نسخے دقّت طلب اور عورتوں کی سمجھ سے باہر ہوں۔اس کا انتخاب حصۂ نہم، بہشتی زیور مصنفہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مدفیوضہ ہے۔''[۶۶]

مزید لکھتے ہیں:

''امراض الرجال: یہ چھوٹا سا رسالہ امراضِ مخصوصہ مردماں میں ہے اور بہشتی گوہر مصنفہ حضرت مولانا ممدوح کے آخر میں بجنسہ ملحق ہے۔''[۶۷]

حکیم محمد فیروز الدین نے رموز الاطباء، ج۲،ص۴۱۳-۴۰۷ پر ان کی ایک عربی تحریر مع اردو ترجمہ شائع کی ہے۔

حکیم شیتل پرشاد جینی دہلوی:

انہوں نے طب کی تعلیم حکیم مولوی خیر اللہ بیگ سے حاصل کی تھی۔ ویدک طریقۂ علاج میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ان کی تالیفات کے بارے میں حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

''آپ کی تصانیف غیر مرتب: ہڑ جان پہچان، پنج گپتیہ، پنساری کی دوکان، عطار وغیرہ ہیں۔''[۶۸]

حکیم مولوی حبیب اللہ:

انہوں نے طبّی علوم کی تحصیل اپنے برادر بزرگ حکیم محمد عبد اللہ سے حاصل کی اور ان کے مطب میں بیٹھ کر عملی دستور العمل حاصل کیا تھا۔ حکیم محمد فیروز الدین ان کے علمی آثار کے بارے میں لکھتے ہیں:

''آپ شرح اسباب کا ترجمہ با محارہ اردو میں کررہے ہیں، جب کہ ایک جلد تیار ہوچکی ہے۔دوسری مکمل ہونے پر شائع فرمائیں گے۔''[۶۹]

حکیم سید صادق حسین لکھنوی:

انہوں نے طب کی تعلیم اپنے والد حکیم سید حیدر حسین لکھنوی، برادر معظم حکیم سید جعفر حسین لکھنوی سے حاصل کی تھی۔حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

''حکیم صاحب ممدوح کو اپنے فرائضِ منصبی اور کثرتِ اسفار کی وجہ سے بہت کم تصنیف و تالیف کا موقعہ ملا۔ تاہم ایک رسالہ آپ کا ہیضہ [یعنی کالرا] کی تحقیقات و علاج کے متعلق نہایت مفید و بکار آمد ہے اور دوسرا رسالہ طاعون [یعنی پلیگ] کی تحقیقات میں ہے۔ یہ بات یہاں ذکر کرنا بے محل یہ ہوگا کہ جب طاعون ۱۸۹۶ء میں اپنے ہیڈ کوارٹر بمبئی میں شروع ہوا تو اس وقت حکیم صاحب وہیں تشریف فرما تھے۔ صدہا مریض اس مرضِ منحوس کے دیکھے اور اس کی حقیقت اور معالجہ کی جانب توجہ کی۔ اسی زمانہ میں یہ رسالہ تالیف کیا۔ یہ دونوں رسالے عنقریب طبع ہوں گے۔''[۴۰]

حکیم مولوی محمد عبدالعزیز کامل:

انہوں نے طبّی علوم کی تحصیل حکیم الٰہ بخش باروی اور حکیم محمد ابراہیم جالندھری سے کی۔ افسر الاطباء حکیم نور محمد کے مطب میں عملی حصہ طب کو مکمل کیا۔ حکیم محمد فیروزالدین نے ان کے علمی آثار پر بہت تفصیل سے لکھا ہے اور ان کی صحافت کے بارے میں بھی لکھا ہے۔ راقم حروف حکیم وسیم احمد اعظمی نے بھی اپنی ایک کتاب 'اردو طبّی رسائل و جرائد: برصغیر ہند و پاک میں' میں بھی ان کی صحافتی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔

حکیم محمد فیروزالدین نے ان کی درج ذیل تالیفات کا تذکرہ کیا ہے:

''وجع المفاصل اردو، العین اردو، اسرار حکمت اردو: ہندوستان کے معروف و زندہ اور موجودہ حکیموں، ڈاکٹروں اور بیدوں کے خاص خاص مجربات کا ذخیرہ ہے۔ اسرار الاطباء اردو: یہ دوسرا حصہ اسرار حکمت کا ہے۔ جڑی بوٹی مع خواص اردو، مخزن اکسیر کامل اردو: مفردات و مرکبات میں، مطب کامل اردو، طبّی دائمی کلینڈر یا تشریحی نقشہ اردو، نقشہ طب اصطلاحات اردو، نقشہ اقوال حذاق اردو، نقشہ قرابادین خانگی یا فیملی فارما کوپیا اردو۔''[۴۱]

حکیم محمد فیرازالدین نے ان کی اشاعت یا عدم اشاعت کا تذکرہ نہیں کیا ہے، چونکہ حکیم مولوی محمد عبدالعزیز کامل کا اشاعتی شعور بہت بالیدہ تھا اور وہ طبّی صحافت میں بھی دخیل تھے، اس لیے گمانِ غالب ہے کی ان کی ان تصانیف میں سے بیشتر کی اشاعت ہوئی ہوگی۔

حکیم احمد حسین فاروقی:

انہوں طبّی درسیات کی تکمیل حکیم نیاز احمد خاں عظیم آبادی اور حکیم عبدالمجید خاں دہلوی سے کی تھی۔ طب کے علاوہ اسلامیات، صنعت اور مصوری سے بھی مناسبت تھی۔ انہوں نے ان موضوعات پر بھی خامہ فرسائی کی ہے۔ حکیم محمد فیروزالدین نے ان کی ان تالیفات کا تذکرہ کیا ہے۔ مفرداتِ احمدی، مرکباتِ احمدی، مجرباتِ احمدی، زچہ بچہ، معالجاتِ احمدی، تشریحاتِ احمدی، مریض و طبیب، طبیب و عطار، انیس الاطباء، عطار و ادویات۔[۴۲]

حکیم سید شاہ انیس احمد قادری:

داؤدنگر، ضلع گیا، بہار وطن تھا۔ طبّی علوم کی باضابطہ تحصیل اور درس و تدریس کی اطلاع نہیں ملتی۔ حکیم محمد فیروزالدین لکھتے ہیں:

''طب قدیم و جدید کی خوبیاں اپنے اپنے موقعوں پر خوب اچھی طرح ملاحظہ فرمائیں اور اب مستقل طور پر مکان پر تشریف رکھ کر ۱۹۰۸ء کی آخیر تاریخوں سے آپ کا مطب کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔''[۴۳]

ان کی غیر مطبوعہ تالیفات کے بارے میں حکیم محمد فیروزالدین لکھتے ہیں:

''فی الحال ہر شعبۂ طب پر علاحدہ علاحدہ رسالے لکھے جا رہے ہیں۔ اس وقت تک رسالے نبض و قارورہ کے منظوم ہو چکے ہیں۔ علامات امراضِ کل نظم کیے ہیں۔ یہ آپ کی قابلِ قدر کوشش طبّی دنیا میں یادگار رہے گی۔''[۴۴]

حکیم خورشید حسن:

سہارن پور میں پیدائش ہوئی اور سکونت لاہور میں اختیار کی۔ طبّی علوم کی تکمیل حکیم سید داور حسین اور حکیم مشتاق احمد سے کی۔ عملی جراحت اور معالجۂ چشم سے ان کو بڑا شغف تھا۔ طبّی صحافت سے بھی دلچسپی تھی۔ حکیم محمد فیروزالدین نے ان کی غیر مطبوعہ تالیفات کا تذکرہ ان لفظوں میں کیا ہے:

''آپ کی تصنیفات میں چند رسائل غیر مطبوعہ ہیں۔''[۴۵]

حکیم بشیر احمد خاں:

دہلی سے وطنی نسبت تھی۔ طبّی علوم کی تکمیل دبستان دہلی کے یگانۂ روزگار اطباء حاذق الملک اوّل حکیم محمد عبدالمجید خاں، حکیم جمیل احمد، حکیم عبدالرشید خاں، مجددِ

طب حاذق الملک ثانی حکیم حافظ محمد اجمل خاں اور حکیم محمد واصل خاں سے کی اور جب علاج معالجہ کی میدان میں قدم رکھا تو رشک اساتذہ ہوئے۔ان کی تالیفی سرگرمیوں کے بارے میں حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

''کتب بینی کا آپ کو بہت شوق ہے۔باوجود عدیم الفرصتی مطالعہ سے غافل نہیں ہوتے۔تصنیفات میں آپ کے چار رسالے ہیں۔ اول مجربات بشیر، رسالہ بابت بحران، صحیفۃ الاسرار، تحفۂ خورشیدیہ، جن میں سے پہلا حیدر آباد دکن میں طبع ہو چکا ہے اور بہت مقبول ہوا۔اس میں مختلف نسخہ جات مجربہ تحریر کیے گئے ہیں اور باہ کے متعلق نہایت عالمانہ اور مفصل ریمارک کیے گئے ہیں۔باقی ہر سہ رسالے ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں۔امید ہے کہ جلد زیور طبع سے آراستہ ہو کر ہدیۂ شائقین ہوں گے۔''[۷۶]

حکیم مولوی خلیل اللہ:

دہلی سے وطنی نسبت تھی۔حکیم محمد فیروز الدین نے رموز الاطباء، ج ۲ میں ان کے فرزند حکیم عبدالہادی کے حوالہ سے لکھا ہے:

''میرے والد مولوی خلیل اللہ مرحوم علاج بھی کرتے تھے، لیکن تصنیف و تالیف کا مشغلہ زیادہ تھا۔مختلف فن کی چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھیں، لیکن زمانہ کی پریشانی سے طبع نہ ہونے پائیں، جو مخلوق کو نفع ہوتا۔''[۷۷]

حکیم مولوی تقی حسین:

میرٹھ سے وطنی نسبت تھی، یہیں ۱۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔خاندان میں طبابت پشتوں سے چلی آئی تھی، ان کے جدامجد خاندانِ علویہ سے تلمذ رکھتے تھے۔حکیم محمد فیروز الدین ان کی تالیفی سرگرمیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان کے مؤلفات و مجربات اکثر غدر کے ایام میں ضائع ہوگئے، کچھ باقی بھی ہیں، جو کسی وقت شائع ہوں گے۔''[۷۸]

حکیم سید ذاکر حسین:

میرٹھ سے وطنی نسبت تھی۔امراضِ اطفال اور امراضِ صدر کے معالجہ میں مہارت رکھتے تھے۔جڑی بوٹیوں پر تحقیق کا بہت شوق تھا۔ان کی ایک تالیف کی نشاندہی کرتے ہوئے حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

''آپ نے بہت سی نئی جڑی بوٹیاں تحقیق کی ہیں اور ایک رسالہ مسمّٰی بہ 'جڑی بوٹی' تیار کیا ہے۔''[۷۹]

حکیم مولوی سید عطا حسین:

دہلی اور میرٹھ سے وطنی نسبت تھی۔حاذق اطباء میں شمار کیے جاتے تھے۔ان کے مجربات کا ذخیرہ ان کے بیٹے حکیم مولوی سید صغیر حسین کے پاس تھا، جس کے بارے میں حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

''آپ [حکیم مولوی سید صغیر حسین] کے حضرت والد ماجد کے مجربات کا قابل قدر ذخیرہ ہے، جس کو عنقریب ہدیۂ ناظرین کرنے والے ہیں۔''[۸۰]

حکیم مولوی سید صغیر حسین:

دہلی اور میرٹھ سے وطنی نسبت تھی۔انہوں ن طبّی درسیات کی تکمیل اپنے برادر معظم سید سجاد حسین عرف حکیم عبدالرحمٰن سے کی۔اللہ نے ان کو ذہن ایسا عطا فرمایا تھا کہ کوئی عبارت ایک بار نظروں سے گذر جاتی، ذہن میں راسخ ہو جاتی تھی۔اسی لیے اقوالِ حذاق کا ایک بڑا حصہ ان کو ازبر تھا۔امراض کی تحقیق اور مزمن امراض کے معالجہ میں مہارت رکھتے تھے، نباضی اور تشخیص میں مہارتِ کلی حاصل تھی۔۔حکیم محمد فیروز الدین ان کی تالیفی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک رسالہ زکام ونزلہ اور ایک رسالہ سرسام اور ایک رسالہ حمیات تصنیف و تالیف فرمارہے ہیں، جو عنقریب حلیۂ طبع سے مزین ہو کر خدمت معاصرین میں حاضر ہوں گے۔''[۸۱]

حکیم محمد ابرار الحق:

امروہہ کے محلّہ قریشیان سے وطنی نسبت تھی۔طبّی درسیات کی تکمیل اپنے والد حکیم مولوی عبدالقیوم، برادر معظم حکیم مولوی محمد اسرار الحق اور مجدد طب حاذق الملک حکیم محمد اجمل خاں سے کی۔یہ مایوس العلاج مریضوں کے مسیحا تصور کیے جاتے تھے۔حکیم محمد فیروز الدین کی تحریر کے مطابق حاذق الملک حکیم محمد اجمل نے ان کو اپنا 'مطب تعلیم طفلاں' عطا فرمایا تھا۔[۸۲]

حکیم مولوی بشیر احمد:

انہوں طب کی ابتدائی کتابیں اپنے والد حکیم محمد یوسف سے پڑھیں۔اس کے بعد دکن کے مدرسہ طبیّہ سرکاری میں داخلہ لیا اور سند فراغت حاصل کی۔

استاذ الاطباء حکیم امتیاز الدین حسین کی خدمت میں رہ کر مزید تحصیل کی ۔طاعون کے علاج میں مہارت رکھتے تھے۔اس موضوع پر ان کی تالیفات بھی ہیں۔حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

''طاعون کے متعلق ایک رسالہ، جو قدیم طریقہ کے مطابق ہدایت کرتا ہے،مگر عجیب رسالہ ہے۔ بہت سی باتیں اس میں ایسی بیان کی گئی ہیں، جو کتابوں میں نہیں پائی جاتیں۔جب آپ لکھ چکے تو اس کے بعد آپ نے طاعون کے متعلق ایک جدا تحقیق کی اور اپنے اطمینان کی غرض سے آپ دہلی تشریف لے گئے، حاذق الملک بہادر تشریف نہ رکھتے تھے، شفاء الملک بہادر کی خدمت میں جب یہ مسئلہ پیش کیا گیا تو ممدوح نے آپ کی رائے سے اتفاق نہ کیا، اس لیے اس کا شائع کرانا ملتوی کر دیا مگر ہنوز اپنی رائے پر جمے ہوئے ہیں ۔ یہ دونوں رسالہ عنقریب شائع فرمانے کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے۔''[۸۳]

حکیم مولوی میر حافظ احمد:

انہوں نے طبّی درسیات کی تکمیل اپنے والد حکیم سید ارشاد علی اور عم مکرم حکیم سید امداد علی سے کی اور اپنے بزرگوں کی نگرانی میں چھ سات سال تک مطب کیا اور لکھیم پور کھیری میں مرجع مرضاء بن گئے ۔طاعون اور امراضِ نسواں کے معالجہ میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ان کی ایک غیر مطبوعہ تالیف کی نشاندہی کرتے ہوئے حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

''امراضِ نسواں پر آپ ایک رسالہ تحریر فرما رہے ہیں، جو عنقریب شائع ہونے والا ہے۔''[۸۴]

حکیم مولوی نعمت اللہ:

انہوں نے طبّی درسیات کی تکمیل حکیم عبدالولی اور ان کے اساتذہ سے کی ۔انتہائی سادہ مزاج ،صوفی مشرب، روشن خیال طبیب تھے۔طب کے ساتھ ہی مذہبیات میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ان کی تالیفی سرگرمیوں کے بارے میں حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

''اپنی تصانیف شائع کرانے کا زیادہ شوق نہیں ہے۔حال ہی میں منشی فخر الدین صاحب تاجر کتب لکھنؤ نے نہایت اصرار سے ایک کتاب 'کامل الادویہ' مرتب کی ہے، جو عنقریب شائع ہونے والی ہے۔''[۸۵]

حکیم مولوی نور محمد خاں مشتاق:

احسان پور ضلع مظفر گڑھ سے وطنی نسبت تھی۔طبّی درسیات کی تکمیل حکیم قاضی فقیر محمد کروری سے کی اور حکیم سید غلام حسین سے مطب سیکھا۔ حکیم محمد فیروز الدین نے ان کی تالیفی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے ہوئے مطبِ مشتاق ،قرابا دینِ نوری، کشتہ جاتِ صدوری، مجرباتِ نوری اور خزاینۃ الاطباء کی نشان دہی کی ہے۔[۸۶]

حکیم محمد فیاض خاں:

انہوں نے طب کی تعلیم حکیم بایزید آخون زادہ مصنف 'خزانۃ العلاج' سے حاصل کی تھی۔ان کی تالیفی خدمات کے بارے میں حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

'' آپ کی طبّاعی اور علمی لیاقت تصنیفات سے ظاہر ہے۔ باوجود قلتِ عمر اور کثرتِ کار ہر ایک فن میں ایک، دو کتابیں تصنیف فرمائیں،منابع الفوائد، خلاصۃ العلاج، رسالہ جراحت، موجبِ حیات، مجرباتِ فیاضی، فرہنگِ ادویہ نظریات اور عملیات طب میں ۔''[۸۷]

حکیم شاہ محمد عبدالرزاق:

ریاست جونا گڑھ کے طبیب خاص اور سر تاج الاطباء کے خطاب یافتہ تھے۔ان کی تالیفات کے بارے میں حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

''رسالہ طبیعیات، طب غریب نواز، اختراعات نادرہ سے بے شمار نسخے ہیں، مگر نسخہ جواہر مہرہ عجیب و غریب نسخہ ہے، جو ریاست جونا گڑھ میں موجود ہے۔''[۸۸]

حکیم محمد یوسف خاں:

حکیم شاہ محمد عبدالرزاق کے فرزند تھے، طب میں مہارتِ کاملہ رکھتے تھے۔ اسلامیات پر بھی مطالعہ بہت وسیع تھا۔طب میں متعدد کتابوں کے مؤلف ہیں۔حکیم محمد فیروز الدین نے ان کی تالیفات قانونِ علاج اردو منظوم؛ مطبِ یوسفی بزبان فارسی، رسالہ فصد منظوم اور رسالہ تذکرۃُ العلاج بزبان اردو نامکمل کی نشاندہی کی ہے۔[۸۹]

حکیم مولوی عبدالرحمٰن:

انہوں نے والد حکیم محمد یوسف سے عربی و فارسی کتابیں پڑھنے کے بعد طبّی درسیات کی تحصیل حکیم علاء الدین خاں رام پوری اور حکیم عبدالرزاق خاں

افسر الاطباء ریاست جونا گڑھ سے کی۔ سلطان الاطباء حکیم محمد اعظم خاں المخاطب بہ ناظم جہاں سے بھی شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ان کی تالیفات کا تذکرہ کرتے ہوئے حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں:

> '' آپ کی تصنیفات عجیب وغریب ہیں۔ فیضان شفا: عورتوں اور بچوں کے علاج میں نہایت مبسوط کتاب تحریر فرمائی ہے۔ چراغِ وصال: آدابِ معاشرت کے تمام مطالب پر حاوی اور علاجِ مخصوصہ مرداں میں مفصل تصنیف کی۔فنِ صنعت میں تکلیس المعادن، تعاریف الامراض اسامی امراض میں،موجز نفیسی عربی میں قابل حفظ، شواہد مطلوب مقدمہ مفرح القلوب،تحفۃ الجواہر: جواہرات کی تحقیق میں، مدارج الادویہ: درجات ادویہ کی تنقیح میں، تذکرہ شفائیہ مع حالات آبائیہ: اپنے تجربات اور حکایات مریضاں میں۔''[۹۰]

حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی نے بھی ’تذکرہ اطبائے اودھ‘ میں اطباء کے احوال کے بیان میں ان کی غیر مطبوعہ تالیفات کی نشان دہی کی ہے۔ ذیل میں اس کتاب کے حوالہ سے اس طرح کی تالیفات کا جائزہ لیا جارہا ہے۔

حکیم غلام حسنین:

رودولی اتر پردیش سے وطنی نسبت تھی۔عوام میں ’بڑے حکیم صاحب‘ کے نام سے مشہور تھے۔طب اور دوسرے موضوعات پر ان کی متعدد کتابیں ہیں۔ حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی لکھتے ہیں:

> '' ایک بڑی ضخیم کتاب ’خزینۃ اللوال‘ بھی لکھی ہے، جو جسم کے پورے نظام اعصاب اور بیماریوں اور ان کے ممکن علاجوں سے متعلق ہے۔جس میں آپ کے ونیز دیگر اطباء کے وہ نسخے درج ہیں،جن پر حکیم صاحب نے خود تجربہ کیا۔ یہ کتاب اور دیگر مسودے آپ کے ورثاء کے پاس موجود ہیں۔''[۹۱]

حکیم مرزا علی محمد المعروف بہ حکیم منے آغا فاضل:

طبّی درسیات کی تکمیل حکیم بنا اور حکیم محمد جی سے کی۔معالجہ میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ اودھ اور کلکتہ میں کامیاب مطب کیا۔ان کی ایک تالیف کی نشاندہی حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی نے کی ہے، لکھتے ہیں:

> ''ایک کتاب مسمیٰ بہ ’عجاب‘ بہ زبان عربی تالیف فرمائی، جو موجود ہے۔یہ قلمی صورت میں ہے اور خاندان میں ہر طبیب کے پاس اس کی ایک نقل موجود ہے۔اس کتاب میں امراض قدم تک، پھر امراضِ عامہ،سموم وغیرہ سے متعلق معلومات شامل ہیں۔آپ کے پوتے حکیم مرزا محمد باقر صاحب پروفیسر ہمدرد طبیہ کالج [کراچی، پاکستان] نے اس کتاب کا ترجمہ بہ عنوان ’رموزِ طب‘ فرمایا۔کچھ حصہ اخبار الطب کراچی میں شائع ہوا۔''[۹۲]

حکیم محمد عباس شوشتری لکھنوی:

طبّی درسیات کی تکمیل حکیم مرزا عیوض علی،طبیب الملوک مرزا علی خاں اور مسیح الدولہ مرزا حسن علی خاں سے کی۔حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی نے اشاعت کی صراحت کے بغیر اس کی تالیفات حاشیہ شرح اسباب، حاشیہ نفیسی،شرح موجز اور تحفۃ الطبیب کا تذکرہ کیا ہے۔[۹۳]

حکیم فضاء اللہ بن عبد اللہ:

لکھنؤ سے وطنی نسبت تھی۔حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی نے اشاعت کی صراحت کے بغیر ان کی ایک تالیف ’مخزن المفردات‘ کا تذکرہ کیا ہے۔[۹۴]

حکیم افتخار الحق تکمیلی:

طب کے دبستان لکھنؤ کے ممتاز طبیب اور ماہر کلیات تھے۔ ماضی قریب میں مبادیاتِ طب پر نظر رکھنے والا ان جیسا طبیب میرے علم میں نہیں ہے۔ان کی کم وبیش جملہ مطبوعہ تالیفات میرے تفصیلی مطالعہ میں رہی ہیں۔حکیم محمد کمال الدین حسین ہمدانی نے ان کی دو زیر تصنیف کتابوں ’جدید طبّی نظریے‘ اور ’طبّی تنقیحات‘ کا ذکر کیا ہے۔[۹۵]

’جدید طبّی نظریے‘ کہاں اور کس حال میں ہے،نہیں معلوم۔البتہ ’طبّی تنقیحات‘ کا مسودہ اور کمپوز کیا ہوا لوازمہ میں نے حکیم اشہر قدیر شعبۂ کلیات، فیکلٹی آف یونانی میڈیسن، جامعہ ہمدرد،نئی دہلی کے یہاں دیکھا تھا اور اس کی عنقریب طباعت کی بات بھی گزشتہ سالوں ہو رہی تھی،لیکن تادمِ تحریر اس کی طباعت نہیں ہوئی ہے۔

حکیم حسین رضا:

حکیم حسن رضا کے فرزند تھے۔طب کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ مطب اور درس کا سلسلہ تھا۔ رام پور میں نواب کلب علی خاں کے طبیبِ خاص رہے، ملازمت سے سبک دوشی کے بعد لکھنؤ آئے اور یہاں

مدرسہ منبع الطب قائم کیا۔ ان کی تالیفات کا تذکرہ کرتے ہوئے حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی لکھتے ہیں:

''تصانیف میں 'تحفۂ حسین' جو حصولِ مزاج نسخہ جات ۱۸۸۵ء میں لکھا۔ اس کے علاوہ ایک کتاب مجرباتِ قلمی، جو ۳۵۳۲ نسخوں پر مشتمل ہے، حکیم صابر رضا کے ہاں محفوظ ہے۔''[۹۶]

حکیم ہادی رضا:

حکیم حسین رضا کے فرزند تھے۔ طب کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ مطب اور درس وافادہ کا بھی سلسلہ تھا۔ ان کی چار غیر مطبوعہ کتابوں، القول الکامل فی زجیر الحق والباطل، اصطلاحات الاطباء، عجائب المفردات اور ہدایاتِ ماہر کا ذکر تذکروں میں ملتا ہے۔[۹۷]

حکیم مشتاق علی علوی:

طب کی ابتدائی کتابیں حکیم مولوی حسین احمد محدث ملیح آبادی سے پڑھیں اور حکیم محبوب علی اور حاذق الزماں حکیم عبدالقادر خاں دہلوی طبّی علوم کی تکمیل کی۔ ان کی دو غیر مطبوعہ کتابوں، تفریح الاطباء اور مفرح المشتاقین کا ذکر حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی نے کیا ہے۔[۹۸]

حکیم محمد حبیب علی:

طب کی تعلیم اپنے والد حکیم مشتاق علی علوی سے حاصل کی تھی۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے ان کا قطعہ تاریخ انتقال کہا تھا۔ حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی نے موضوع کی صراحت کے بغیر ان کی تالیف 'دررالفرائد ترجمہ اردو مائۃ الفوائد' کی نشاندہی کی ہے۔[۹۹]

ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ کتاب طب پر ہی ہے۔

حکیم مولوی عبدالحفیظ:

شیخ باسط علی کے فرزند اور شاہ علی اکبر قلندر کے داماد تھے۔ انہوں نے طبّی درسیات کی تحصیل ریاست جھالر پاٹن کے اطباء سے کی۔ حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی لکھتے ہیں:

''تین بیاضیں مجرب نسخہ جات کی ان کی یادگار ہیں۔'' [۱۰۰]

حکیم مشرف حسین:

خیر آباد اودھ سے وطنی نسبت تھی۔ طب کے علاوہ علوم عربیہ کے بھی عالم تھے۔ کتابوں کے جمع وتحفظ میں دلچسپی تھی۔ حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی لکھتے ہیں:

''آپ بعض طبّی رسالوں کے مصنف بھی تھے۔''[۱۰۱]

مخلص الدولہ حکیم سید سرفراز حسین کنتوری:

دربار اودھ میں آپ اور آپ کے خاندان کو خاص مقام حاصل تھا۔ دہلی اور کلکتہ میں بھی آپ نے مطب کیا۔ حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی نے کسی صراحت کے بغیر ان کی تالیفات، تفسیر فی علاج البواسیر، ماعون لمرض الطاعون، رسالہ دربیان موتی جھرہ، ملیریا بخار اور اس کا علاج بطریق یونانی کا ذکر کیا ہے۔[۱۰۲]

حکیم حاجی امداد:

دریاباد بارہ بنکی کے اہم اطباء میں تھے، لکھنؤ کے اطباء سے طبّی علوم کی تکمیل کی۔ خلیق، ملنسار اور عالی مرتبت شخصیت کے مالک تھے۔ طب کے علاوہ دیگر عصری علوم پر بھی نظر تھی۔ ان کا شمار کثیر التصانیف مؤلفین میں ہوتا ہے۔ برار، کلکتہ اور ٹونک میں ملازم بھی رہے۔ ان کی غیر مطبوعہ تالیفات بیان العوارض، مجرباتِ احمدی، رسالۃ النبض اور نسخۃ الشفاء [صرف چند اوراق] کا ذکر حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی نے کیا ہے۔[۱۰۳]

حکیم عبدالرشید عرف نکومیاں:

طبّی درسیات کی تکمیل اطبائے جھوائی ٹولہ لکھنؤ سے کی۔ معالجہ میں ان کو دور دور تک شہرت حاصل تھی۔ اسی لیے مختلف شہروں میں انہوں نے مکان تعمیر کرائے تھے۔ ان کی 'بیاض' میں بہت سے خاندانی آزمودہ طبّی نسخے، چیدہ اشعار اور اساتذہ کا نعتیہ کلام درج ہے۔[۱۰۴]

یہ بیاض اب کس کے پاس اور کس حال میں ہے؟ حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی نے کوئی اطلاع نہیں دی ہے۔

حکیم سید تجمل حسین:

بلگرام سے وطنی نسبت تھی۔ عربی، فارسی اور اردو کے متبحر عالم تھے۔ طبابت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ عرصہ تک بندیل کھنڈ اور کان پور میں مطب کیا۔ ان کی تالیفات مجرباتِ رضوی، رسالۂ بحران، رسالۂ نبض اور رسالۂ قارورہ کا ذکر حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی نے اشاعت کی صراحت کے بغیر کیا ہے۔[۱۰۵]

حکیم مولوی سید محمد ہاشم:

زنگی پور ضلع غازیپور سے وطنی نسبت تھی۔ طبّی درسیات کی تکمیل حکیم شیخ علی محمد لکھنوی اور حکیم سید علی مہدی لکھنوی سے کی۔ لکھنے پڑھنے کا بھی ذوق تھا۔ ان کی غیر مطبوعہ کتاب 'درثمین فی تحقیق صلوح الطمث لغذاء الجنین وہدایۃ العقول فی تحقیق جواز الاسہال للطحول' کا ذکر حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی نے کیا ہے، اس پر حاذق الملک حکیم محمد حسین کی تقریظ بھی ہے۔[۱۰۶]

حکیم شاہ ثناء اللہ:

جون پور سے وطنی نسبت تھی۔ مغل فرماں رواؤں کے یہاں ان کے خاندان کی خوب پذیرائی تھی۔ شاہ عالم بادشاہ شاہی طبیب کی حیثیت سے ان کو جون پور کے تمام سرکاری معالجہ کے لیے مامور کیا اور مزید جاگیر ووظائف بھی عطا کیے۔ حکیم شاہ ثناء اللہ کو تصنیف و تالیف سے بھی شغف تھا۔ ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی طب پر کئی کتابیں تھیں، جس میں ان کے مجرب و آزمودہ تیر بہدف نسخے تھے، جو ۱۹۳۶ء کے سیلاب کی نذر ہو گئے۔[۱۰۷]

حکیم اسد علی:

ان کا شمار ذی علم وحاذق طبیب اور صاحبِ درس وافادہ اطباء میں ہوتا ہے۔ ان کی 'شرح الاسباب والعلامات' پر عربی میں حاشیہ کی نشاندہی حکیم سید ظل الرحمٰن نے 'غالباً غیر مطبوعہ' کے ساتھ کی ہے۔[۱۰۸]

حکیم حسن رضا خاں:

انہوں نے طبّی کی تعلیم اور عملی تربیت طب کے دبستانِ لکھنؤ کے بانی حکیم محمد یعقوب لکھنوی سے حاصل کی تھی۔ مطب کے ساتھ درس کا بھی سلسلہ تھا۔ حکیم سید ظل الرحمٰن ان کی تالیفی خدمات کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''حکیم صاحب کی تصانیف میں قرابادین [فارسی]، شرح رسالہ اسحٰق بن سلیمان اسرائیلی، رسالہ ذکور و اناث [فارسی] اور ایک رسالہ استخراج مزاج نسخہ میں ہے۔''[۱۰۹]

تذکرہ کاملان رام پور کے حوالہ سے مزید لکھتے ہیں:

> ''ان کے پوتے حکیم محمود رضا کا بیان ہے کہ قرابادینِ اعظم ان کے چچا حکیم حسین رضا کے پاس تھی۔ شرح اسحٰق بن سلیمان اسرائیلی حکیم حیدر رضا خاں مستعار لے گئے تھے، وہ ضائع ہوگئی۔ بقیہ رسائل حکیم محمود رضا کے پاس محفوظ رہے۔ ان کا یہ بھی بیان ہے کہ چند رسائل ناتمام نامعلوم الاسم بھی ان کی یادگار ہیں۔''[۱۱۰]

حکیم محمد ابراہیم لکھنوی:

طب کے دبستان لکھنؤ کے بانی حکیم محمد یعقوب کے فرزند اور ممتاز طبیب تھے۔ طب کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور مطب حکیم میر محمد مرتعش دہلوی سے سیکھا۔ درس وافادہ اور مطالعہ اور مشاہدہ کا سلسلہ تھا۔ راقم حروف حکیم وسیم احمد اعظمی نے اپنے ایک طویل مضمون 'تکمیل الطب کالج کے صاحب تصنیف اطباء، مطبوعہ سہ ماہی جہان طب، نئی دہلی، جلد۴، شمارہ ۲، ۱ جولائی۔ دسمبر ۲۰۰۲ء تکمیل الطب کالج نمبر میں مختلف حوالوں کے تناظر میں ان کے احوال اور علمی آثار پر روشنی ڈالی ہے۔

حکیم محمد ابراہیم لکھنوی مطالعہ کے دوران کتابوں پر ایرادات اور حواشی بھی قلم بند کیا کرتے تھے۔ ان کی تین تالیفات، بیاض، دستور العلاج اور تنشیط الاذہان فی بحث الارکان کا تذکرہ حکیم عبد الحیٔ حسنی نے 'الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند' میں اور حکیم سید ظل الرحمٰن نے 'تذکرہ خاندان عزیزی' میں کیا ہے۔ حکیم محمد ابراہیم کے معمولات پر مشتمل یہ بیاض حکیم مختار احمد امروہوی کے پاس تھی، جس کو ان کے فرزند حکیم صدیق احمد سے کوئی مستعار لے گیا اور واپس نہیں کیا۔ تنشیط الاذہان فی بحث الارکان کو انہوں نے بیٹے حکیم عبد العلی کے لیے لکھا تھا۔

حکیم محمد ابراہیم نے حکیم مظفر بن محمد حسنی شفائی کی قرابادین پر جابجا حاشیے اور مخترع نسخے، حکیم میر محمد مرتعش کی بیاض پر ذاتی مجربات درج کیے، 'مجربات عزیزی' میں شامل نسخہ جات مستزاد ہیں۔ اب یہ تحریریں کہاں ہیں اور کس کے قبضۂ قدرت میں ہیں؟ تلاش وتحقیق کا موضوع ہے۔

حکیم عبد العزیز لکھنوی:

طب کے دبستانِ لکھنؤ نمائندے اور مدرسہ تکمیل الطب لکھنؤ کے بانی تھے۔ ان کی بعض غیر مطبوعہ تالیفات کے بارے میں حکیم ظل الرحمٰن لکھتے ہیں:

> ''قانون پر کچھ حواشی تحریر فرمائے تھے۔ اسی طرح اپنے کچھ مجربات بھی جمع کیے تھے، دونوں چیزیں ناتمام رہیں اور اشاعت کی نوبت نہیں آئی۔''[۱۱۱]

اب یہ لوازمے یا مسودے کہاں اور کس حال میں ہیں؟ اس خاندان سے شدت کے ساتھ وابستہ حکیم سید ظل الرحمٰن کو غالباً اس کی خبر ہو۔

حکیم عبدالوحید لکھنوی:

طب کے دبستان لکھنؤ کے نمائندوں میں تھے۔ انہوں نے مطب اور درس کی مصروفیتوں کے ساتھ تصنیف و تالیف پر بھی توجہ کی۔ شفاء الملک حکیم عبدالمعید کے حوالہ سے حکیم یہ ظل الرحمٰن لکھتے ہیں:

'' والدِ مرحوم جب مجھے طب کی تعلیم دیتے تھے تو ایک رسالہ 'قانون الوحید فی افادۃ الوحید' کے نام سے قلم بند فرماتے جاتے تھے۔ ان کے انتقال کی وجہ سے یہ رسالہ نا تمام رہا۔''[۱۱۲]

اب یہ رسالہ کہاں، کس حال میں اور کس کے پاس ہے؟ کوئی اطلاع نہیں ہے۔ قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ یہ علمی لوازمہ ایک ایسے طبّی خانوادہ کی میراث تھا، جس کا طبّی شعور بالیدہ اور فنی وجدان پاکیزہ تھا، تو بھلا دوسرے اہل کی تالیفات کا کیا حال ہوگا۔

مولوی حکیم فریدالدین المشتہر بہ حکیم کلّو:

ان کی ایک کتاب 'ادویۂ باہیہ' کی کتابت حکیم احمد رضا نے شوقیہ طور پر کی تھی۔ اب اس کتاب کا بھی کہیں اتا پتا نہیں ہے۔ اب اس کا نام و پتہ صرف تذکرہ خاندان عزیزی تک محدود ہے۔[۱۱۳]

حکیم احمد رضا:

انہوں نے طبّی درسیات کی تکمیل اپنے والد حکیم حسن رضا اور ماموں حکیم محمد ابراہیم لکھنوی سے کی تھی۔ قدرت نے دستِ شفا عطا فرمایا تھا۔ کبھی کبھی عمل جراحی بھی کرتے تھے۔ رام پور کے تمام یونانی شفا خانوں کے نگراں تھے۔ درس و افادہ کا بھی سلسلہ تھا۔ حکیم سید ظل الرحمٰن لکھتے ہیں کہ ان کے شاگرد حکیم محمد رضا خاں رام پوری عرف حکیم جھنڈا خاں کے پاس ان کی کچھ بیاضیں تھیں۔[۱۱۴]

حکیم احمد رضا کی ان بیاضوں کا اب کچھ اتا پتا نہیں ہے۔

حکیم سید ظل الرحمٰن ان کی تالیفی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے حکیم حافظ محمود رضا کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

'' حکیم حافظ محمود رضا کے مطابق ان کی درج ذیل تصانیف ہیں، لیکن ان میں سے کوئی کتاب زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوئی۔

۱- رسالہ صدقہ وارث فی علاج الطاعون
۲- قرابادینِ احمدی
۳- مفرداتِ احمدی
۴- مطبِ احمدی
۵- یادگارِ احمدی
۶- رہبر مریضاں
۷- رسالۂ نبض
۸- رسالۂ قارورہ
۹- شرح رسالہ اسحٰق بن حنین''۔[۱۱۵]

حکیم حسین رضا خاں:

انہوں نے طبّی درسیات کی تکمیل اپنے والد حکیم حسین رضا سے کی تھی۔ ان کی ایک قلمی بیاض کا حوالہ حکیم سید ظل الرحمٰن نے دیا ہے، جس میں حکیم احمد رضا، حکیم حسن رضا، حکیم محمد ابراہیم اور خاندان کے دوسرے اطباء کے نسخے درج ہیں، یہ بیاض لکھنؤ میں ان کے پوتے حکیم صابر رضا کے پاس محفوظ تھی۔[۱۱۶]

حکیم عبدالولی:

انہوں نے طبّی درسیات کی تکمیل اپنے والد حکیم عبدالعلی اور عم نامور حکیم عبدالعزیز لکھنوی سے کی۔ وہ اجتہادی فکر کے حامل تھے۔ طبّی تحریکوں سے بھی دلچسپی رکھتے تھے اور اس سلسلہ میں طب کے دبستانِ دہلی کے حمایتی تھے۔ حکیم سید ظل الرحمٰن ان کی تصنیفی سرگرمیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

'' حکیم عبدالولی پابندی سے روزنامچہ لکھتے تھے، ۱۹۰۴ء کے روزنامچہ کے چند اوراق میرے پاس محفوظ ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصنیف و تالیف کا بھی مشغلہ رہتا تھا۔ مگر افسوس کے ان کے کسی مسودہ کا سراغ نہیں مل سکا۔''[۱۱۷]

شفاء الملک حکیم عبدالرشید:

طب کے دبستان لکھنؤ کے اہم نمائندے تھے۔ طبّی علوم کی تکمیل والد گرامی اور خاندان نے دوسرے اطباء سے حاصل کی۔ ان کا مطب بہت بھرا پُرا تھا۔ درس و افادہ کا بھی سلسلہ تھا۔ حکیم سید ظل الرحمٰن ان کی ایک غیر مطبوعہ کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

'' ہدیۃ الرشیدیہ اور الماعون فی الطاعون کے علاوہ ' امراض عین و

علاماتِ فارقہ فی الامراض المتشابہۃ‘ کے نام سے بھی ان کی ایک کتاب ہے۔شفاء الملک حکیم عبد اللطیف مرحوم کے پاس اس کا مخطوطہ تھا۔“[۱۱۸]

حکیم عبدالحلیم:

طب کے دبستان لکھنؤ کے اہم صاحبِ تصنیف اطباء میں شمار کیے جاتے تھے۔ان کی غیر مطبوعہ تالیف کے بارے میں حکیم سید ظل الرحمٰن لکھتے ہیں:

”وہ ’اکمل الصناعۃ شرح تشریح کامل الصناعۃ‘ کے نام سے کامل الصناعۃ کے تشریحی حصہ [مقالۂ ثانیہ وثالثہ] کی شرح بھی کرنا چاہتے تھے۔بحثِ اعصاب تک اس کام کو کر چکے تھے،لیکن اس کی طباعت کی نوبت نہیں آسکی۔“[۱۱۹]

اب یہ مسودہ کہاں اور کس حال میں ہے؟ کچھ بھی معلوم نہیں۔

حکیم محبوب رضا:

شفاء الملک حکیم عبد اللطیف فلسفی کے بھانجے تھے اور انہی کی سر پرستی میں رہے اور اجمل خاں طبیہ کالج،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے سندِ فراغت حاصل کی۔تکمیل الطب کالج لکھنؤ اور اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۶۷ء میں کراچی[پاکستان] منتقل ہوگئے۔متعدد کتابوں کے مؤلف تھے۔ان کی سات غیر مطبوعہ تالیفات کا ذکر کرتے ہوئے حکیم سید ظل الرحمٰن لکھتے ہیں:

”ان کی دوسری کتابیں، جو زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوئیں، درج ذیل ہیں۔ان کے پاس موجود ان کتابوں کے مسودے میری نظر سے گزرے ہیں۔جدید تلقیحات،معلم طب،علم العین، ناک کان منہ حلق کی بیماریاں،علم الجراثیم،طبی معلومات اور علم الصحت“۔[۱۲۰]

حکیم امام بخش:

نصیر الدین حیدر کے معالج تھے۔حکیم سید ظل الرحمٰن نے اشاعت کی صراحت کے بغیر ان کی دو کتابوں ’حل المباحث‘ اور ’دستور العلاج‘ کا ذکر تذکرہ خاندان عزیزی میں کیا ہے۔[۱۲۱]

شفاء الدولہ حکیم افضل علی:

طبی علوم کی تحصیل مسیح الدولہ سے کی تھی۔ایلوپیتھی میں بھی شُد بُد تھی، ان کی متعدد کتابوں کا ذکر حکیم سید ظل الرحمٰن نے کیا ہے۔[۱۲۲]

حکیم ابونصر غلام جیلانی قمر:

موضع چک دین،ضلع پٹنہ سے وطنی نسبت تھی۔طبی درسیات کی تکمیل الطب کالج لکھنؤ سے کی۔ان کی ایک غیر مطبوعہ بیاضِ نسخہ جات حکیم محمد اشرف کریم،سابق پرنسپل گورنمنٹ طبی کالج،کدم کنواں پٹنہ کے توسط سے حکیم محمد اسرار الحق کو حاصل ہوئی تھی۔جس کے بارے میں حکیم محمد اسرار الحق لکھتے ہیں:

”...... بیاضِ نسخہ جات حکیم صاحب مرحوم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی عنایت فرمائی ہے، جسے میں فن کی امانت اور حکیم صاحب کی یادگار نیز حاملین فن کے فائدے کے لیے الگ کتابی شکل میں مرتب کررہا ہوں۔“[۱۲۳]

یہ بیاض ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔حکیم محمد اسرار الحق بھی اب حیات نہیں رہے۔یہ بیاض ان کے وارثین کے پاس یقیناً محفوظ ہوگی، جس کی اشاعت طب کے نسخہ جاتی سرمایہ میں ایک اہم اضافہ ہوگا۔

حکیم فیاض علی صدیقی:

دینی علوم کی تحصیل مدرسہ نور العلوم بہرائچ اور دار العلوم دیو بند سے کی۔طبی درسیات کی تکمیل الطب کالج،لکھنؤ سے کی۔راقم حروف حکیم وسیم احمد اعظمی کو ان سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔درس ومطب کے ساتھ تصنیف وتالیف سے بھی مناسبت تھی۔انہوں نے اپنی مطبوعہ کتاب ’امورطبیعیہ‘ میں اپنی تین غیر مطبوعہ تالیفات ’حالاتِ بدن‘ ’اصولِ علاج‘ اور ’مبادیِ حکمت‘ کا ذکر کیا ہے۔میں نے اپنے ایک طویل مضمون ’تکمیل الطب کالج کے صاحبِ تصنیف اطباء،مطبوعہ سہ ماہی جہان طب، نئی دہلی، جلد۴، شمارہ ۲،۱، جولائی—دسمبر۲۰۰۲ء’تکمیل الطب کالج نمبر‘ میں ان پر کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔

حکیم نورالدین بن عبداللہ بن عین الملک شیرازی:

عہد شاہجہاں کے ممتاز اطباء میں سے تھے۔متعدد طبی کتابوں کے مؤلف تھے، ان میں سے بیشتر طبع ہوچکی ہیں۔ان کی تالیفات ’سبب ستہ رشیدیہ‘ اور ’قسطاس الاطباء‘ کی موجوگی اور طباعت کا ذکر کیے بغیر حکیم سید ظل الرحمٰن لکھتے ہیں:

”سبب ستہ رشیدیہ:حفظِ صحت سے متعلق ہے اور صحت کے لیے چھ

ضروری امور پر اس میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔'' [۱۲۴]

مزید لکھتے ہیں:

'' قسطاس الاطباء: طبّی لغت ہے۔ ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء کی مرتبہ اس کتاب کو اپنے ولی نعمت حکیم امان اللہ خاں زماں فیروز جنگ کے نام موسوم کیا ہے۔'' [۱۲۵]

حکیم ہدایت اللہ:

محمد شاہ ہی دور میں دہلی کے ممتاز اطباء میں شمار کیے جاتے تھے۔ حکیم سید ظل الرحمٰن ان کی ایک تالیف کی نشاندہی اشاعت کی صراحت کے بغیر کرتے ہیں:

'' سیر العلاج کے نام سے ۱۱۵۲ھ / ۱۷۳۱ء میں انہوں نے علاج امراض پر ایک کتاب لکھی ہے، جس میں آسان اور سہل الحصول دوائیں درج ہیں۔'' [۱۲۶]

حکیم میر محبوب علی:

انہوں نے طب کی تعلیم حکیم محمد اشرف کشمیری دہلوی المخاطب بہ حکیم معالج خاں سے حاصل کی۔ حکیم سید ظل الرحمٰن نے اشاعت کی صراحت کے بغیر ان کی ایک تالیف 'حدود الحمیات' کا ذکر کیا ہے۔ [۱۲۷]

حکیم رضی الدین خاں:

امروہہ سے وطنی نسبت تھی۔ طب کی تعلیم اپنے والد حکیم قوام الدین سے حاصل کی۔ دہلی اور لکھنؤ کے دربار میں بڑی قدر و منزلت تھی۔ ان کی تصنیفی سرگرمیوں کے بارے میں حکیم سید ظل الرحمٰن لکھتے ہیں:

'' ان کی کتابوں میں الرضیہ حاشیہ شرح اسباب، جامع الرضی [معالجات] اور الرسالۃ الجماعیہ ہیں۔'' [۱۲۸]

حکیم نیاز علی خاں:

حکیم سید ظل الرحمٰن نے 'المشاہیر' فیض احمد کے حوالہ سے ان کو مصنف لکھا ہے۔ [۱۲۹]

حکیم راضی خاں:

شاہ عالم کے عہد کے اہم اطباء میں تھے۔ ان کی کتاب کا ذکر حکیم سید ظل الرحمٰن کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' شاہ عالم کے عہد میں ۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء میں 'فواید معدہ فی ترتیب ضعفِ معدہ' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ دیباچہ کے مطابق وجہ تالیف اس مرض کی عمومیت اور خود شاہ عالم کا اس میں مبتلا ہونا ہے۔ بادشاہ کے قرب و اختصاص کی بناء پر مؤلف نے ضعف ِمعدہ کے اسباب و علامات اور علاج پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔'' [۱۳۰]

حکیم سراج الدین:

حکیم سید ظل الرحمٰن نے ان کو علامۂ زماں اور شاہ جہاں آباد کے مشاہیر اطباء میں شمار کیا ہے اور تذکرہ علماءِ ہند کے حوالہ سے ایک تالیف 'قانون علاج' کی نشان دہی کی ہے۔ [۱۳۱]

حکیم شریف خاں:

طب یونانی کی انتہائی اہم اور معتبر شخصیت، مطب و معالجہ کے باوجود تصنیف و تالیف میں اعلیٰ معیار قائم کیا۔ حکیم سید ظل الرحمٰن ان کی مفقود الوجود کتابوں کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' ترجمہ کلیاتِ قانون اور ترجمہ معالجاتِ بقراطیہ ان کی حیات میں ہی ضائع ہوگئی تھیں۔ رسالہ قوت باہ، رسالہ ماء الجبن، رسالہ چوب چینی بعد میں تلف ہوئیں۔'' [۱۳۲]

حکیم مرزا علی بخت محمد ظہیر الدین اظفر گورگانی:

مغل شہزادہ تھا۔ طب یونانی سے غیر معمولی شغف رکھتا تھا۔ اس کی علمی سرگرمیوں کے بارے میں حکیم سید ظل الرحمٰن لکھتے ہیں:

'' اپنی سرکار سے وابستہ حکیم حسین رضا خاں کی فرمایش پر اظفر نے بقراط کے رسالۂ قبریہ کا فارسی میں ترجمہ کیا اور پھر اسے نظم کا جامہ پہنایا تھا۔'' [۱۳۳]

حکیم سلیم خاں:

مرزا اسد اللہ خاں غالب کے عہد کے طبیب تھے۔ غالب نے ان کتاب 'تکشیف الحکمت' کا قطع تاریخ کہا تھا۔ [۱۳۴]

اب یہ کتاب کہاں اور کس حال میں ہے؟ کم از کم میرے علم میں نہیں ہے۔

حکیم صادق علی خاں:

حکیم شریف خاں کے فرزند تھے۔ انہوں نے اپنے والد کی خاندانی

روایات کو بڑی ہوش مندی کے ساتھ برقرار رکھا۔ حکیم جمیل خاں کے حوالہ سے حکیم سید ظل الرحمٰن لکھتے ہیں:

''ان کی تصانیف میں زادِ غریب، طریق تعلیمِ طفلاں، رسالہ خواص ادویہ و اغذیہ، شرح معالجات قانونچہ [ناتمام]، شرح تشریح اعضائے مرکبہ ناتمام، تالیف ۱۳۷ھ/۱۸۶۱ء] کے علاوہ ایک کتاب کلیات پر ہے۔''[۱۳۵]

حکیم سید اکبر علی شیون:

ان کے بارے میں حکیم سید ظل الرحمٰن لکھتے ہیں:

''علاء الدین قرشی کی مشہور کتاب موجز القانون کا فارسی نظم میں طرز دلپسند کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔''[۱۳۶]

اب یہ ترجمہ دستیاب ہے یا نہیں؟ اس کی موجودگی کے بارے میں طبّی تذکرے خاموش ہیں۔

حکیم سید آل حسن:

چاند پور سے وطنی اور حکیم پیر جی عبدالرزاق سے برادرانہ نسبت تھی۔ حکیم سید ظل الرحمٰن ان کی تالیفات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان کی کئی غیر مطبوعہ طبّی کتابیں ہیں۔ ایک کتاب حکیم محمد حسین آزاد [مرادآباد] کے پاس موجود ہے۔''[۱۳۷]

حکیم سید ظل الرحمٰن نے یہ بھی لکھا ہے کہ حکیم آلِ حسن کے پوتے حکیم غلام غوث کے پاس حکیم آلِ حسن کی کتابیں موجود ہیں۔[۱۳۸]

حکیم محمد جمیل خاں:

مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں کے اکلوتے فرزند تھے۔ علم و فضل اور حذاقت میں اسلاف کا نمونہ تھے۔ ان کا ایک مخصوص مزاج تھا۔ ان کی متعدد مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کا تذکرہ حکیم سید ظل الرحمٰن نے کیا ہے۔ ان کی غیر مطبوعہ تالیفات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حکایات اطباء تشخیصی اور کلینیکی لحاظ سے مریض کی ہسٹری کے طور وہ لکھ رہے تھے۔ اس کے علاوہ بیاضِ مسیح، رسالہ برء الساعۃ؛ شرح رسالہ براکلوس، کتاب الباہ [عربی]، یہ چار کتابیں طبع نہیں ہوئیں۔''[۱۳۹]

حکیم جمیل خاں اپنے بیٹوں سے ملنے لاہور گئے، ۲۶ ستمبر ۱۹۶۰ء کو انتقال ہوا اور وہیں آسودۂ خاک ہوئے۔ ان کی متذکرہ بالا کتابیں اب کہاں اور کس حال میں ہیں؟ تحقیق کا موضوع ہے۔

حکیم رام لبھایا:

طبّی علوم کی تحصیل حکیم سندر داس، حکیم گرودت سنگھ الگ اور حکیم الیاس خاں سے کی۔ تقسیمِ ہند کے بعد مستقل طور پر دہلی منتقل ہو گئے اور درس و تدریس اور مطب میں ساری عمر صرف کر دی۔ ان کی متعدد کتابوں کا تذکرہ حکیم سید ظل الرحمٰن نے کیا ہے۔ ان کی دو غیر مطبوعہ کتابوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حکیم صاحب کی ایک کتاب 'گوسوامی گلدستہ اکسیر و رساین' جس میں کشتہ سازی پر انہوں نے اپنے تجربات کی روشنی میں قلم اٹھایا ہے۔ زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی۔ وہ شرح اسباب پر جدید اضافات کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ اضافہ میں شریف خانی اطباء کے معمولات خاص طور شامل تھے۔''[۱۴۰]

حکیم شفاء حیدرآبادی نے بھی 'تذکرہ اطباءِ عہدِ عثمانی' میں بعض اطباء کا ذکر کیا ہے، جن کی تالیفات ہنوز تشنۂ اشاعت ہیں۔

حکیم ابوالفداء محمود احمد:

حکیم شفاء حیدرآبادی نے ان کی تالیف 'علاج الامراض' کا ذکر اس تبصرہ کے ساتھ کیا ہے:

''اس کا صرف ایک حصہ 'حکیم دکن' میں شائع ہو سکا ہے۔''[۱۴۱]

اب اس کتاب کے غیر مطبوعہ اجزاء کہاں ہیں؟ اس بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے۔

حکیم مولوی محمد اسمٰعیل:

ان کی دو غیر مطبوعہ منظوم تالیفات 'طبّی صد بیت' اور 'قواعد خورد و نوش' [کذا] کی نشان دہی حکیم شفا حیدرآبادی نے کی ہے۔[۱۴۲]

حکیم مولوی رحیم الدین:

مرض سل پر ان کے ایک بسیط، غیر مطبوعہ رسالہ کی نشان دہی حکیم شفا حیدرآبادی نے کی ہے۔[۱۴۳]

حکیم مولوی سید محمد قاسم:

حکیم شفاء حیدرآبادی نے ان کی چار کتابوں کا ذکر کیا ہے، جن

میں دو کتابوں مخزنِ عثمانیہ اور جامع الفنون کے زیر ترتیب ہونے کی اطلاع دی ہے۔ لکھتے ہیں:

''مخزن عثمانیہ: زیر ترتیب، جس میں ہر دوا کے نام چالیس زبانوں میں جمع کیے ہیں۔ جامع الفنون: زیر ترتیب، جس میں تقویم فنون کی تحقیق اور علاج جہازی، علاج حیوانی، علاج شخصی، علاج سیارہ، علاج بذریعہ آب وہوا، غرض کہ ہر مرض کا علاج مختلف طریقوں سے بتایا گیا ہے۔''[۱۴۴]

حکیم مولوی غلام محی الدین:

ان کی ایک کتاب 'الفرق بین الامراض' کی اطلاع اس صراحت کے ساتھ دی ہے کہ 'یہ کتاب طغیانی میں ضائع ہوگئی۔'[۱۴۵]

حکیم محمد نیر واسطی:

حکیم محمد کبیر الدین کے تالیفی رفقاء میں سے تھے۔ ان کے عیون الانباء فی طبقات الاطباء کے اردو ترجمہ کے بارے میں حکیم شفاء حیدر آبادی لکھتے ہیں:

''عیون الانباء فی طبقات الاطباء کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ جس کی کئی قسطیں رسالہ 'المسیح' میں طبع ہوئی تھیں۔''[۱۴۶]

اس ترجمہ کا باقی حصہ کہاں اور کس حال میں ہے؟ طبّی دانشوروں کو اس کی کوئی خبر نہیں ہے۔

حکیم علم الدین بھاگو والیہ نے رسالہ کنز مخفیہ المعروف بہ مجربات صدریہ جو بعد میں 'اسرار صدری' کے نام سے طبع ہوئی، میں متعدد اطباء کی غیر مطبوعہ تالیفات کی نشان دہی کی ہے۔ ان میں چند اطباء کے علمی آثار درج ذیل ہیں:

حکیم امید علی عباسی:

ان کی وطنی نسبت رازق پور، ضلع سکھر، سندھ تھی۔ حکیم علم الدین بھاگو والیہ نے ان کی چار غیر مطبوعہ تالیفات، مجرباتِ عباسی، منتخب مجربات، قرابادین مجربات اور بیاضِ کلاں عرف تشریح الاجسام کا ذکر کیا ہے۔[۱۴۷]

حکیم عبدالغفور فیروز:

حیدر آباد سے وطنی نسبت تھی۔ انہوں نے ایک کتاب جڑی بوٹیوں کے خواص وتاثیرات پر مرتب کی تھی، جو ضائع ہوگئی۔[۱۴۸]

حکیم سید عماد الحسن حسنی الحسینی نیوتنی:

مردم خیز قصبہ نیوتنی، ضلع اناؤ سے وطنی نسبت تھی۔ ان کی چار غیر مطبوعہ تالیفات فارق الامراض، کتاب العلامات، کتاب البحران اور معلم العلاج کا ذکر حکیم علم الدین بھاگو والیہ نے کیا ہے۔[۱۴۹]

حکیم مولوی منظور الحق:

حکیم مولوی نور محمد کے فرزند تھے۔ بھاگو وال سے وطنی نسبت تھی۔ ان کی ایک غیر مطبوعہ تالیف اسرار مخفی [صدری مجربات] کا ذکر حکیم علم الدین بھاگو والیہ نے کیا ہے۔[۱۵۰]

حکیم مولوی سید نظیر حسین:

حکیم مولوی سید نجف علی کے فرزند تھے۔ حکیم علم الدین بھاگو والیہ نے ان کی تین غیر مطبوعہ کتابوں رسالہ الامراض جلد اول، قسطاس فی علاج الامراض اور مفردات ہندیہ کا تذکرہ کیا ہے۔[۱۵۱]

تذکروں اور تاریخ طب کی کتابوں کے حوالہ سے طبّی مخطوطات کی تلاش کا کام جاری ہے۔ قوی امید ہے کہ ایسے مخطوطات کی تعداد ہزاروں میں ہوگی۔

حوالہ جات

۱- رموز الاطباء: ج۱ص۴۹
۲- ایضاً: ج۱ص۵۰
۳- ایضا: ج۱ص۹۱
۴- مقدمہ رسائل مسیح الملک: ص۱۶، اردو ترجمہ
۵- رموز الاطباء: ج۱ص۱۳۲
۶- ایضاً: ج۱ص۱۳۳-۱۳۲
۷- ایضاً: ج۱ص۱۳۸
۸- ایضاً: ج۱ص۱۵۵
۹- ایضاً: ج۱ص۲۰۸
۱۰- ایضاً: ج۱ص۲۲۲
۱۱- ایضاً: ج۱، ۲۲۸
۱۲- ایضاً: ج۱ص۱۵۸

۱۳- ایضاً: ج۱،ص۱۵۹
۱۴- ایضاً: ج۱،ص۱۵۹
۱۵- ایضاً: ج۱،ص۱۶۹
۱۶- ایضاً: ج۱،ص۳۱۴
۱۷- ایضاً: ج۱،ص۳۱۴
۱۸- ایضاً: ج۱،ص۳۱۴
۱۹- ایضاً: ج۱،ص۳۷۱
۲۰- ایضاً: ج۱،ص۶۶۷—۶۶۶
۲۱- ایضاً: ج۱،ص۳۷۲
۲۲- ایضاً: ج۱،ص۳۷۲
۲۳- ایضاً: ج۱۔ص۳۸۳
۲۴- ایضاً: ج۱،ص۴۰۹
۲۵- ایضاً: ج۱،۴۵۶
۲۶- ایضاً: ج۱،ص۴۵۶
۲۷- ایضاً: ج۱،ص۴۸۵
۲۸- ایضاً: ج۱،ص۴۹۳
۲۹- رموز الاطباء: ج۱،ص۵۹۵
۳۰- ایضاً: ج۱،ص۶۱۸۔۶۱۷
۳۱- ایضاً: ج۱،ص۶۳۵
۳۲- ایضاً: ج۱،ص۶۵۸
۳۳- ایضاً: ج۱،ص۶۶۷۔۶۶
۳۴- ایضاً: ج۱،ص۶۷۲
۳۵- ایضاً: ج۱،ص۶۸۹
۳۶- ایضاً: ج۱،ص۷۸۰
۳۷- ایضاً: ج۱،ص۸۳۷
۳۸- ایضاً: ج۲،ص۴
۳۹- ایضاً: ج۲،ص۴
۴۰- ایضاً: ج۲،ص۸۹
۴۱- ایضاً: ج۲،ص۹۸
۴۲- ملاحظہ کریں تاریخ اطبائے بہار: ج۱،ص۲۳۱
۴۳- تذکرہ خاندان عزیزی: ص۱۴۶
۴۴- رموز الاطباء: ج۲،ص۱۳۷
۴۵- ایضاً: ج۲،ص۱۳۸
۴۶- ایضاً: ج۲،ص۱۶۰
۴۷- ایضاً: ج۲،ص۱۹۵
۴۸- ایضاً: ج۲،ص۱۹۷
۴۹- ایضاً: ج۲،ص۱۹۹
۵۰- ایضاً: ج۲،ص۲۰۰
۵۱- ایضاً: ج۲،ص۲۱۰
۵۲- ایضاً: ج۲،ص۲۴۱۔۲۴۰
۵۳- ایضاً: ج۲،ص۲۶۸
۵۴- ایضاً: ج۲،س۲۶۸
۵۵- ایضاً: ج۲،ص۲۷۹
۵۶- ایضاً: ج۲،ص۲۹۴
۵۷- ایضاً: ج۲،ص۲۴۵
۵۸- ایضاً: ج۲،ص۳۴۶
۵۹- ایضاً: ج۲،ص۳۶۵
۶۰- ایضاً: ج۲،ص۳۷۱
۶۱- ایضاً: ج۲،ص۳۷۳
۶۲- ایضاً: ج۲،۳۷۳
۶۳- ایضاً: ج۲،ص۳۷۳
۶۴- ایضاً: ج۲،ص۳۷۳
۶۵- ایضاً: ج۲،ص۳۹۳۔۳۹۲
۶۶- ایضاً: ج۲،ص۴۰۳
۶۷- ایضاً: ج۲،ص۴۰۷
۶۸- رایضاً: ج۲،ص۴۰۷
۶۹- ایضاً: ج۲،۴۶۹
۷۰- ایضاً: ج۲،ص۴۸۴

۷۱- ایضاً: ج۲،ص۴۹۱
۷۲- ایضاً: ج۲،ص۴۹۸۔۴۹۷]
۷۳- ایضاً: ج۲،ص۵۳۴
۷۴- ایضاً: ج۲،ص۵۵۲
۷۵- ایضاً: ج۲،ص۵۵۲
۷۶- ایضاً: ج۲،ص۵۷۳
۷۷- ایضاً: ج۲،ص۶۰۸۔۶۰۷
۷۸- ایضاً: ج۲،ص۶۶۶
۷۹- ایضاً: ج۲،ص۷۶۳
۸۰- ایضاً: ج۲،ص۷۹۴
۸۱- ایضاً: ج۲،ص۸۰۱
۸۲- ایضاً: ج۲،ص۸۰۱
۸۳-ایضا: ج۲،س۸۳۷
۸۴-ایضا: ج۲،ص۸۵۱
۸۵- ایضا: ج۲،ص۸۷۰
۸۶- ایضا: ج۲،ص۸۹۱۔۸۹۰
۸۷- ایضا: ج۲،۸۹۶
۸۸- ایضا: ج۲ص۳۹
۸۹- ایضا: ج۲،ص۴۰
۹۰- ایضا: ج۲،ص۶۰
۹۱- ایضا: ج۲،ص۶۳۔۶۲
۹۲- تذکرہ اطبائے اودھ،ص۱۷
۹۳- ایضا::ص۶۷
۹۴- ایضا:ص۹۸
۹۵- ایضا:ص۱۷۲
۹۶- ایضا:ص۲۴۳
۹۷- ایضا:ص۲۵۵
۹۸- ایضا:ص۲۵۷
۹۹- ایضا:ص۲۸۴
۱۰۰- ایضا:ص۲۸۵
۱۰۱- ایضا:ص۲۸
۱۰۲- ایضا:ص۲۹۱
۱۰۳- ایضا:ص۳۲۰
۱۰۴- ایضا:ص۳۲۵
۱۰۵- ایضا:ص۳۵۹
۱۰۶- ایضا:ص۳۶۱
۱۰۷- ایضا:ص۴۰۳
۱۰۸- ایضا:ص۴۳۳
۱۰۹- تذکرہ خاندان عزیزی:ص۳۳۔۳۲
۱۱۰- ایضا:ص۹۱
۱۱۱- بحوالہ تذکرہ خاندان عزیزی:ص۹۱
۱۱۲- تذکرہ خاندان عزیزی:ص۱۳۶
۱۱۳- بحوالہ تذکرہ خاندان عزیزی:ص۱۷۳
۱۱۴- تذکرہ خاندان عزیزی:ص۱۷۳
۱۱۵- ایضا:ص۱۷۹
۱۱۶- ایضا:ص۱۸۰
۱۱۷- ایضا:ص۱۸۶،۱۸۳
۱۱۸- ایضا:ص۲۰۱
۱۱۹- ایضا:ص۲۵۷
۱۲۰- ایضا:۳۳۰
۱۲۱- ایضا:ص۴۲۲
۱۲۲- ایضا:ص۴۲۹
۱۲۳- ایضا:ص۴۳۲
۱۲۴- تاریخ اطبائے بہار: ج۱،ص۵۸
۱۲۵- دلی اور طب یونانی:ص۴۸
۱۲۶- ایضا:ص۴۸
۱۲۷- ایضا:ص۶۵
۱۲۸- ایضا:ص۸۱۔۸۰

۱۲۹- ایضا:ص۸۷

۱۳۰- ایضا:ص۸۷

۱۳۱- ایضا:ص۸۸

۱۳۲- ایضا:۹۴

۱۳۳- ایضا:ص۱۰۴

۱۳۴- ایضا:ص۱۰۹

۱۳۵- ایضا:ص۱۲۱

۱۳۶- ایضا:۱۲۴

۱۳۷- ایضا:ص۱۴۶

۱۳۸- ایضا:ص۲۸۲

۱۳۹- ایضا:ص۲۸۲

۱۴۰- ایضا:ص۳۱۹

۱۴۱- ایضا:ص۳۴۱

۱۴۲- تذکرہ اطباء عہد عثمانیہ:ص۲۰

۱۴۳- ایضا:ص۲۹

۱۴۴- ایضا:ص۹۰

۱۴۵- ایضا:ص۱۴۴

۱۴۶- ایضا:ص۱۸۲

۱۴۷- ایضا:ص۲۰۷

۱۴۸- اسرار صدری:ص۹۸

۱۴۹- تذکرہ اطباء عہد عثمانی:ص۱۸۵

۱۵۰- اسرار صدری:ص۲۵۳

۱۵۱- ایضا:ص۳۷۴

کتابیات

۱۔ اعظمی، حکیم وسیم احمد[۲۰۰۲ء] تکمیل الطب کالج لکھنؤ کے صاحب تصنیف اطباء، سہ ماہی جہان طب، نئی دہلی، جلد۴، شمارہ ۲-۱، "تکمیل الطب کالج نمبر" جولائی - دسمبر۲۰۰۲ء

۲۔ بھاگوالیہ، حکیم علم الدین[غیر مورخ] اسرار صدری، ندیم یونس پرنٹرس، لاہور،

۳- حیدرآبادی، حکیم شفا[۱۹۵۲ء]، تذکرہ اطباء عہد عثمانی، حیدرآباد

۴- ظل الرحمن، حکیم سید[۲۰۰۹ء اشاعت دوم] تذکرہ خاندان عزیزی، انٹرنیشنل پرنٹنگ پریس، علی گڑھ

۵- ظل الرحمن، حکیم سید[۱۹۹۵ء] دلی اور طب یونانی، ثمر آفسیٹ پریس، دہلی

۶- فیروز الدین، حکیم محمد[اگست ۲۰۰۹ء] رموز الاطباء، جلد۱، ایچ ایس آفسیٹ پریس، نئی دہلی

۷- فیروز الدین، حکیم محمد[اگست ۲۰۰۹ء] رموز الاطباء، جلد۲، ایچ ایس آفسیٹ پریس، نئی دہلی

۸- ندوی، حکیم محمد رضی الاسلام[۱۹۹۱ء] رسائل المسیح الملک، [اردو ترجمہ]، مطبع اور مقام اشاعت کی تفصیل درج نہیں ہے۔

۹- ہمدانی، حکیم سید محمد کمال الدین حسین [۲۰۰۸ء] تذکرہ اطبائے اودھ، جید پریس، بلی ماران، دہلی

●●●

عربی عہد میں وبائیات کا موضوع: ایک جائزہ

☆حکیم بلال احمد

☆☆حکیم محبوب السلام

طب کے دورِ تدوین وتہذیب سے ہی وبائیات کے موضوع کو اطباء کی خصوصی توجہ حاصل رہی ہے۔اس باب میں بقراط[۴۶۰–۳۶۳ق م] اور جالینوس[۲۰۱ء–۱۳۱ء] کی خدمات اہمیت کی حامل ہیں۔بقراط نے کتاب ابیذیمیا [کتاب الامراض الوافدۃ]،[۱] کتاب الاھویۃ والمیاۃ والبلدان،[۲] کتاب الوباء[۳] اور کتاب فی تقدمۃ معرفۃ الامراض الکائنۃ من تغیر الھواء[۴] میں وبائیات کو موضوعِ بحث بنا کر آئندہ محققین کے لیے ایک مضبوط بنیاد فراہم کی۔بقراط کے بعد اس کے مقلّد جالینوس نے اس باب میں مزید تحقیقات کیں اور دیگر اسباب کے ساتھ، ماحولیاتی اسباب کو بھی مرضی حالات کے لیے ذمہ دار ٹھہرایا۔[۵] اس کی کتاب، تفسیر کتاب الھواء والماء والمساکن لابقراط اس سلسلے کی ایک اہم کوشش ہے۔[۶]

طب کے یونانی اور رومی دور کے بعد عہدِ وسطیٰ [۵۰۰ء–۱۵۰۰ء] میں عرب اطباء نے بھی اس سلسلے تحقیق کو آگے بڑھایا اور اخذ کردہ نتائج کو حوالۂ قرطاس کیا۔ چنانچہ اُس عہد کی ہر قابلِ ذکر کتاب میں ایک باب وبائی امراض یا غیر طبعی ہوائی تغیّرات کے لیے مختص کیا گیا۔فردوس الحکمۃ، کتاب الحاوی الکبیر فی الطب، کتاب المنصوری فی الطب، کامل الصناعۃ، کتاب القانون فی الطب، کلیات ابن رشد، کتاب التیسیر، ذخیرہ خوارزم شاہی غرض کہ طب یونانی کی ہر اہم کتاب میں تدابیرِ ہوا اور وبائی تغیّرات کو موضوعِ گفتگو بنایا گیا ہے۔

عہد اسلامی کے آغاز کے معروف طبیب ابوالحسن علی بن سہل ربن طبری [۲۴۷ھ–۱۹۲ھ/۸۶۱ء–۸۰۸ء] کی فردوس الحکمۃ کی نوعِ ہفتم کے چار مقالات میں سے پہلے مقالے میں ہواء کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔[۷] ابوبکر محمد بن زکریا رازی[۳۱۳ھ–۲۵۱ھ/۹۲۵ء–۸۶۵ء] کی مشہور کتاب، الحاوی الکبیر فی الطب کی پندرہویں جلد کے آخری حصّے میں 'فی الاھویۃ والبلدان والمجالس والوباء والموتان والأزمان وتدبیر البدن بحسب الأزمنۃ والملابس' کے زیرِ عنوان ہوا پر گفتگو کی گئی ہے۔رازی نے اپنی کتاب کے اس حصّے میں ہواؤں کی اقسام، مختلف مقامات کی ہواؤں اور وبا پر بحث کی ہے۔[۸] الحاوی الکبیر فی الطب کی طرح، کتاب المنصوری فی الطب بھی رازی کی اہم ترین تصنیفات میں شمار کی جاتی ہے۔رازی نے کتاب المنصوری کے چوتھے مقالے میں متعدّی امراض اور وبا سے تحفظ کی تدابیر بیان کی ہیں۔[۹] علی بن عباس اہوازی [۳۸۴ھ–۳۱۸ھ/۹۹۴ء–۹۳۰ء] کی کامل الصناعۃ معروف بہ کتاب الملکی میں ہوا کے موضوع پر بالتفصیل گفتگو کی گئی ہے۔اس کتاب کی پہلی جلد کے پانچویں مقالہ کے دوسرے باب سے گیارہویں باب تک ہوا کے طبیعی اور غیر طبیعی تغیّرات اور اس کو متاثر کرنے والے عوامل کو بیان کیا گیا ہے۔ہوا طبیعی اور

☆ ریسرچ آفیسر [یونانی طب]، لٹریری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ آف یونانی میڈیسن، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

☆☆ ریسرچ آفیسر [یونانی طب]، ریجنل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ آف یونانی میڈیسن، پٹنہ

غیر طبیعی کے اثرات، تغیر ہوا پر کواکب کے اثرات اور ہوائے وبائی کا تذکرہ ہے۔[۱۰] کتاب المأۃ فی الطب کے مصنّف ابوسہل عیسیٰ بن یحییٰ المسیحی [۴۰۱ھ–۳۶۱ھ/۱۰۱۰ء–۹۷۲ء] نے بھی دسویں کتاب میں ہوا کے مباحث پر گفتگو کی ہے۔[۱۱] شیخ الرئیس ابوعلی ابن سینا [۴۲۸ھ–۳۷۰ھ/۱۰۳۷–۹۸۰ء] نے القانون فی الطب کی جلد اوّل کے فنِ دوم کے جملۂ اولیٰ کی دوسری سے دسویں فصل تک ہوا، طبائع موسم اور تغیّرات ہوا سے بحث کی ہے۔[۱۲] ابن سینا نے اپنے ایک مشہور رسالے، دفع المضار الکلّیۃ عن الابدان الانسانیۃ کے سات مقالوں میں سے دوسرے مقالے میں ہوا کے مباحث پر روشنی ڈالی ہے۔اس مقالے میں اس نے جالینوس کے حوالہ سے وباء سے تحفّظ کی خاطر تریاقِ افاعی کے استعمال کی سفارش کی ہے۔[۱۳] ابو العشائر ہبۃ اللہ ابنِ جمیع [م ۱۱۹۸ھ/۵۹۴ء]، اطباء مصر میں ایک ممتاز نام ہے۔ابنِ جمیع نے کتاب الارشاد لمصالح الانفس والاجساد کے تیسرے مقالہ، مقالۃ فی حفظ الصحۃ ومداواۃ الامراض کے تحت وبائی امراض پر بحث کی ہے۔[۱۴] کتاب التیسیر فی المداواۃ والتدبیر، ابومروان عبدالملک ابن زہر [۵۵۷ھ–۴۸۴ھ/۱۱۶۲ء–۱۰۹۱ء] کی ایک قابلِ قدر تصنیف ہے۔اس کتاب کے دوسرے حصّے میں وبائی امراض سے بحث کی گئی ہے اور بقراط کی کتاب ابیذ یمیا کے حوالے بطور خاص شامل کیے گئے ہیں۔[۱۵] طب کے اہم مصادر میں شمار کی جانے والی کتاب الکلّیات کے مصنف ابوالولید محمد ابن رشد الاندلسی [۵۹۵ھ–۵۲۰ھ/۱۱۹۸ء–۱۱۲۶ء] نے کتاب العلامات میں تغیّراتِ ہوا، موسموں کی تاثیرات اور ہوائے وبائی کا ذکر کیا ہے۔[۱۶] طب کو فارسی زبان کے قالب میں ڈھالنے والوں میں شرف الدین اسماعیل بن حسین جرجانی [م ۵۳۰ھ/۱۱۳۵ء] کو بلند ترین مقام حاصل ہے۔ جرجانی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ذخیرہ خوارزم شاہی کی تیسری جلد کے حصۂ اوّل کی گفتارِ اوّل میں تغیّراتِ ہوا کو بیان کیا ہے۔[۱۷] کتاب المختارات فی الطب کے مصنف ابن ہبل بغدادی [م ۶۱۰ھ] نے جزء اوّل میں فصل فی الھواء کے تحت طبعی و غیر طبعی ہوا کے اثرات[۱۸] اور فصل فی تدبیر الابدان المستکملۃ بحسب الھواء کے تحت تدابیرِ وباء پر گفتگو کی ہے۔[۱۹] فارسی زبان کی ایک اور تصنیف غیاث الطب، جس کا مخطوطہ خدابخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے اور راقم کی نظروں سے گذرا ہے، میں حکیم نجم الدین محمود بن الیاس شیرازی [م ۷۲۰ھ] نے تیرہویں باب میں تدبیرِ ہوا کا ذکر کیا ہے۔ خدابخش لائبریری پٹنہ کے علاوہ اس کے مخطوطات ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، سالار جنگ میوزیم حیدرآباد، جامعہ ہمدرد دہلی اور اجمل خاں طبیّہ کالج علی گڑھ میں موجود ہیں۔

طب کی اہم کتابوں میں ذیلی عناوین کے تحت ذکر کرنے کے علاوہ عرب اطباء نے وباء کو باقاعدہ عنوان بنا کر مستقل کتابیں اور رسالے بھی تصنیف کیے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

یعقوب بن اسحاق کندی [۸۷۳ء–۸۰۱ء] کا شمار طب کے عربی دور کے اہم اطبا میں ہوتا ہے۔کندی نے وبا اور تدبیرِ ہوا کے موضوع پر دو اہم رسالے، رسالۃ فی الابخرۃ المصلحۃ للجو من الاوباء[۲۰،۲۱،۲۲] اور رسالۃ فی الادویۃ المشفیۃ من الروائح الموذی[۲۳،۲۴،۲۵] رقم کیے ہیں۔ ابومعشر جعفر بن بلخی [۸۸۶ء–۷۸۷ء] نے کتاب الامطار والریاح وتغیر الاہویۃ قلمبند کی۔[۲۶] ابوالحسن ثابت بن قرۃ حرّانی [۹۰۰ء–۸۲۶ء] نے خسرہ اور چیچک پر رسالۃ فی الجدری والحصبۃ تحریر کیا۔[۲۷،۲۸،۲۹] ابوبکر محمد بن زکریا رازی [۳۱۳ھ–۲۵۱ھ/۹۲۵ء–۸۶۵ء] کی کتاب الجدری والحصبۃ اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ رازی نے اس کتاب میں چیچک اور خسرہ کی امتیازی علامات کو پہلی بار دنیا کے سامنے پیش کیا۔[۳۰،۳۱] اس کے علاوہ رازی نے وباء پر ایک رسالہ، بنام الرسالۃ الوبائیۃ بھی حوالۂ قرطاس کیا۔[۳۲] چیچک کے ہی موضوع پر احمد بن ابی اشعث [م ما بعد ۹۷۰ء] نے دو مقالوں پر مشتمل کتاب فی الجدری والحصبۃ والحمیقاء لکھی۔[۳۳،۳۴]۔ابن جزّار [۹۷۹ء–۸۹۵ء] نے اسباب وباء پر ' کتاب فی نعت الاسباب المؤلدۃ للوباء فی مصر' میں روشنی ڈالی۔[۳۵،۳۶] اس باب میں ابوعبداللہ محمد بن احمد بن سعید تمیمی [م مابعد ۹۸۰ء] کی کتاب فی مادۃ البقاء باصلاح فساد الھواء والتحرز من ضرر الاوباء بھی قابل ذکر ہے۔[۳۷،۳۸،۳۹] چیچک پر ایک اور کتابچہ، مقالۃ فی الجدری کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے۔ اس کتابچہ کا مصنف ابراہیم بن بکس [م ۱۰۰۳ء] ہے۔[۴۰،۴۱] کتاب المائۃ کے مصنف ابوسہل عیسیٰ بن یحییٰ المسیحی [۱۰۱۰ء–۹۷۲ء] نے بھی اس موضوع پر مستقل رسالے، کتاب فی الوباء [۴۲،۴۳] اور مقالۃ فی الجدری تحریر کیے۔[۴۴،۴۵] مصر کی سرزمیں سے تعلق رکھنے والے ایک اہم طبیب اور مصنف ابن رضوان [۱۰۶۱ء–۹۹۵ء] نے بھی ایک مختصر رسالہ مقالۃ فی دفع المضار عن الابدان بمصر کے عنوان سے قلمبند کیا ہے۔[۴۶]

طب کے یونانی اور عربی عہد کی نگارشات کے علاوہ اگر ہندی عہد کی تصنیفات وتالیفات کو بھی شامل کرلیا جائے تو وبائیات کے موضوع پر ایک معتد بہ علمی سرمایہ ہمارے پاس موجود ہے۔اس اثاثہ کی روشنی میں مزید تحقیقات، بہرصورت دورجدید کے صحتی مسائل کے حل میں کسی حدتک ضرور معاون ثابت ہوسکتی ہیں۔

حوالہ جات

۱- عیون الانباء فی طبقات الاطباء:ص۵۴
۲- ایضاً:ص۵۴
۳- آئینہ تاریخ طب:ص۱۲
۴- عیون الانباء فی طبقات الاطباء:ص۵۶
۵- پارکس ٹکسٹ بک آف پریونٹیو اینڈ سوشل میڈیسن:ص۴
۶- عیون الانباء فی طبقات الاطباء:ص۱۴۵
۷- فردوس الحکمۃ [اردو ترجمہ]، جلد دوم:ص۴۹۴-۴۸۷
۸- کتاب الحاوی فی الطب، الجزء الخامس العشر :ص۲۲۵-۱۵۳
۹- کتاب المنصوری فی الطب [اردو ترجمہ]:ص۱۷۷-۱۷۴
۱۰- کامل الصناعۃ الطبیۃ، الجزء الاوّل:ص۱۷۰-۱۵۴
۱۱- کتاب المائۃ فی الطب [اردو ترجمہ]:ص۱۶۱-۱۴۹
۱۲- القانون فی الطب، الکتاب الاوّل:ص۱۵۴-۱۴۰
۱۳- کتاب دفع المضار الکلیۃ عن الابدان الانسانیۃ:ص۳۱-۲۳
۱۴- خدابخش لائبریری میں ہماری خطی میراث، جلد چہارم:ص۸۳
۱۵- کتاب التیسیر فی المداواۃ والتدبیر [اردو ترجمہ]:ص۲۵۱-۲۴۳
۱۶- کتاب الکلیات:ص۱۸۷-۱۸۲
۱۷- ذخیرہ خوارزم شاہی [اردو ترجمہ]، جلد سوم:ص۱۹
۱۸- کتاب المختارات فی الطب، الجزء الاوّل:ص۱۰۹-۱۰۵
۱۹- کتاب المختارات فی الطب، الجزء الاوّل:ص۲۰۵
۲۰- عیون الانباء فی طبقات الاطباء:ص۲۹۱
۲۱- الفہرست [اردو ترجمہ]:ص۶۰۴
۲۲- تاریخ الحکماء [اردو ترجمہ]:ص۴۸۱
۲۳- عیون الانباء فی طبقات الاطباء:ص۲۹۱
۲۴- الفہرست [اردو ترجمہ]:ص۶۰۴
۲۵- تاریخ الحکماء [اردو ترجمہ]:ص۴۸۱
۲۶- الفہرست [اردو ترجمہ]:ص۶۴۳
۲۷- عیون الانباء فی طبقات الاطباء:ص۲۹۹
۲۸- تاریخ الاطباء:ص۹۶
۲۹- الفہرست [اردو ترجمہ]:ص۶۳۳
۳۰- تاریخ الحکماء [اردو ترجمہ]:ص۳۷۲
۳۱- تاریخ الاطباء:ص۱۵۴
۳۲- فہرس مخطوطات الطب الاسلامی باللغات العربیہ والترکیہ والفارسیہ فی مکتبات ترکیا، استانبول:ص۱۱۵
۳۳- عیون الانباء فی طبقات الاطباء:ص۳۳۲
۳۴- تاریخ الاطباء:ص۲۲۲
۳۵- عیون الانباء فی طبقات الاطباء:ص۴۸۲
۳۶- تاریخ الاطباء:ص۳۸
۳۷- عیون الانباء فی طبقات الاطباء:ص۵۴۸
۳۸- تاریخ الاطباء:ص۱۷۱
۳۹- تاریخ الحکماء [اردو ترجمہ]:ص۱۶۴
۴۰- عیون الانباء فی طبقات الاطباء:ص۳۲۹
۴۱- تاریخ الاطباء:ص۲۳
۴۲- عیون الانباء فی طبقات الاطباء:ص۴۳۷
۴۳- تاریخ الاطباء:ص۱۷۳
۴۴- عیون الانباء فی طبقات الاطباء:ص۴۳۷
۴۵- تاریخ الاطباء:ص۱۷۳
۴۶- عیون الانباء فی طبقات الاطباء:ص۵۶۶

کتابیات

۱- عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ابن ابی اصیبعہ [شرح وتحقیق، الدکتور نزار رضا]، منشورات دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت، ۱۹۶۵ء

٢- آئینہ تاریخِ طب، حکیم سیّد ظل الرحمٰن، مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ، ٢٠٠١ء
٣- پارکس ٹکسٹ بک آف پریوینٹیو اینڈ سوشل میڈیسن [بیسواں ایڈیشن]، کے پارک، بنارسی داس بھانوت پبلیشرز، ٢٠٠٩ء
٤- فردوس الحکمت فی الطب [پہلا ایڈیشن]، ابوالحسن علی بن سہل ربن الطبری [عربی متن مع اردو ترجمہ از حکیم رشید اشرف ندوی]، جلد دوم، ڈائمنڈ پبلی کیشنز، لاہور، ١٩٩٦ء
٥- کتاب الحاوی فی الطب [الطبعۃ الاولیٰ]، ابوبکر محمد بن زکریا رازی، الجزء الخامس العشر، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدرآباد، دکن، ١٩٦٣ء
٦- کتاب المنصوری فی الطب، ابوبکر محمد بن زکریا رازی [اردو ترجمہ]، سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن، نئی دہلی، ١٩٩١ء
٧- کامل الصناعۃ الطبیۃ، علی بن عباس المجوسی، الجزء الاوّل، سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن، نئی دہلی، ٢٠٠٥ء
٨- کتاب المائۃ فی الطب، ابوسہل عیسیٰ بن یحییٰ بن ابراہیم المسیحی، جلد اوّل، [اردو ترجمہ]، سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن، نئی دہلی، ٢٠٠٨ء
٩- القانون فی الطب، ابوعلی الحسین بن عبداللہ بن سینا، الکتاب الاوّل، معہد تاریخ الطبی والابحاث الطبیۃ، دلھی الجدیدۃ، ١٤٠٢ھ
١٠- کتاب دفع المضار الکلیۃ عن الابدان الانسانیۃ، ابوعلی الحسین بن عبد اللہ بن سینا [دراسۃ وتحقیق، الدکتور محمد زھیر البابا]، منشورات جامعۃ حلب معھد التراث العلمی العربی والمنظمۃ العربیۃ للتربیۃ والثقافۃ والعلوم معھد المخطوطات العربیۃ، ١٩٨٤ء
١١- خدابخش لائبریری میں ہماری خطی میراث، جلد چہارم، مولوی عظیم الدین احمد، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ١٩٩٢ء
١٢- کتاب التیسیر فی المداواۃ والتدبیر، عبدالملک بن زہر [اردو ترجمہ]، سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن، نئی دہلی، ١٩٨٦ء
١٣- کتاب الکلیات [الطبعۃ الاولیٰ]، ابوالولید محمد بن رشد الاندلسی، سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن، نئی دہلی، ١٩٨٤ء
١٤- ذخیرہ خوارزم شاہی، احمد الحسن الجرجانی [اردو ترجمہ]، ادارہ کتاب الشفا، نئی دہلی، ٢٠١٠ء
١٥- کتاب المختارات فی الطب، مہذب الدین ابی الحسن علی بن احمد بن علی بن ہبل البغدادی، الجزء الاوّل، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد، دکن، ١٣٦٢ھ
١٦- الفہرست، ابن ندیم [اردو ترجمہ، مُڈوے پریس، لاہور، ١٩٩٠ء
١٧- تاریخ الحکماء، ابن القفطی [اردو ترجمہ]، انجمن ترقی اردو [ہند]، دہلی، ١٩٤٥ء
١٨- تاریخ الاطباء، غلام جیلانی، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور، غیر مورخ
١٩- فہرس مخطوطات الطب الاسلامی باللغات العربیۃ والترکیۃ والفارسیۃ فی مکتبات ترکیا، ڈاکٹر اکمل الدین احسان اوغلی، استانبول، ١٩٨٤ء

●●●

مدرسہ طبیّہ دہلی

☆حکیم فخر عالم

مدرسہ طبیہ دہلی ہندوستان میں طبّی تعلیم کا اولین ادارہ ہے۔اس کے قیام سے پہلے یہاں کوئی باقاعدہ طبّی درسگاہ نہیں تھی۔حصولِ طب کا کسی قدر ذریعہ اس عہد کے مدارس میں پڑھائی جانے والی طبّی کتابیں تھیں،طب کی باقاعدہ تعلیم اور عملی مشق کے لیے طلبہ نامور اطباء کی خدمت میں حاضر ہو کر طبّی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

مدرسہ طبیّہ کے قیام سے پہلے دہلی میں شریف خانی اطباء کے مطبوں کو مرجعیت کا درجہ حاصل تھا۔طبّی تعلیم کا یہی طریقہ ہندستان کے دوسرے شہروں میں بھی رائج تھا،مگر اس تعلیمی نظام کا دائرہ نہایت محدود تھا۔محض کچھ کتابوں کی تعلیم اور کسی قدر مطب کی مشق پر یہ تعلیمی سلسلہ ختم ہو جاتا تھا۔مزید برآں اس طریقۂ تعلیم سے صرف خاندان کے افراد یا مخصوص تلامذہ ہی مستفید ہو سکتے تھے۔

حکیم محمود خاں کے مطب میں بھی طبّی تعلیم کا اہتمام تھا۔حکیم محمود خاں خود طلبہ کو درس دیتے تھے۔انہوں نے اپنے بڑے بیٹے حکیم عبدالمجید خاں کی علمی لیاقت اور فنی ذوق کو دیکھتے ہوئے طلبہ کو پڑھانے کی ذمہ داری انہیں بھی تفویض کر رکھی تھی۔

حکیم عبدالمجید خاں نے تعلیم کے اس روایتی طریقہ کو منظّم اور مربوط کرنے کی غرض سے مدرسہ طبیّہ کی بناء ڈالی اور گلی قاسم جان میں ایک مکان کرایہ پر لے کر اس مدرسہ کا باقاعدہ آغاز کیا۔مدرسہ کے قیام کے وقت حکیم محمود خاں، نواب عبداللطیف خاں کے علاج کے لیے کلکتہ گئے ہوئے تھے،حکیم عبدالمجید خاں نے مدرسہ طبیّہ کے قیام کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا تھا: ''دست بستہ گزارش است کہ فدوی مدرسہ طبیّہ توکل علی اللہ جاری کردہ است'' یہ خط ۱۳۰۸ھ میں لکھا گیا ہے۔[۱]

اس مدرسہ کی ابتداء ۱۸۸۳ء میں ہوئی،مگر باقاعدہ افتتاح ۲۳ جولائی ۱۸۸۹ء میں ہوا۔اور ڈپٹی کمشنر دہلی کے ہاتھوں اس کا افتتاح عمل میں آیا۔حکیم عبدالمجید خاں نے جماعتوں کے قواعد وضوابط وضع کر کے الگ الگ سشن مقرر کیے اور کتابوں کے نام کی بجائے جدید طرز پر درجات کا سلسلہ شروع کیا۔ ابتداء شوال سے لے کر آخر شعبان تعلیمی میقات قرار پائی۔مدرسہ طبیّہ میں فارسی اور عربی کی دو الگ جماعتیں قائم تھیں اور مدتِ تعلیم دو سال تھی۔ پھر یہ مدت بڑھا کر تین سال کر دی گئی۔ وقتاً فوقتاً نصابِ تعلیم میں بہت سی تبدیلیاں آئیں۔علم تشریح کی کمی محسوس کرتے ہوئے حکیم صادق کی 'شرح تشریح اعضاء مرکبہ' داخل نصاب کی گئی۔ حکیم عبدالمجید خاں،حکیم واصل خاں اور حکیم اجمل خاں تدریسی فرائض انجام دیتے تھے۔فارسی کی تمام کتابیں حکیم جمیل الدین پڑھاتے تھے۔حکیم محمد احمد خاں مدرسہ طبیّہ میں کلیات نفیسی اور شرح اسباب کے استاذ رہے اور حکیم واصل خاں کے انتقال کے بعد ایک عرصہ تک اعلیٰ جماعت کے طلبہ کو درس دیا۔[۲]

☆ریسرچ آفیسر[یونانی طب]،ریجنل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ آف یونانی میڈیسن،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی،علی گڑھ

حکیم عبدالمجید خاں کی یہ طبّی تحریک سرسید کی تعلیمی تحریک کی معاصر ہونے کے ساتھ بالکل اس کے شانہ بہ شانہ بڑھ رہی تھی۔۱۸۹۲ء میں جب دہلی میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا ساتواں اجلاس منعقد ہوا تو حکیم اجمل خاں اس کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر تھے۔ کانفرنس کے اجلاس میں نواب سعیدالدین احمد خاں نے ایک تجویز پیش کی کہ مدرسہ طبیّہ کو دارالعلوم علی گڑھ کی شاخ بنا دیا جائے، مگر یہ تجویز منظور نہیں ہوئی۔[۳]

مدرسہ طبیّہ کے قیام کا ایک اہم مقصد طبّی تعلیم کی تنظیم اور یونانی طب کو اس کے روایتی خول سے باہر نکالنا تھا۔ دراصل ۱۸۵۷ء کے بعد پیدا ہونے والے حالات میں یونانی طب کا روایتی وجود بھی اندیشوں کے دائرہ میں تھا، ایسے حالات میں تعلیمی تنظیم کے ساتھ ایک اہم داعیہ یہ تھا کہ طبّی نظامِ تعلیم کو ایسے قالب اور اسلوب میں پیش کیا جائے جو جدید علمی دنیا کے لیے قابل فہم ہو۔ اس ضرورت کی تکمیل کے لیے یونانی طب کو نئے تعبیراتی اسلوب میں پیش کیے جانے کی ضرورت تھی۔ ایک اہم داعیہ یہ بھی تھا کہ یونانی طلبہ یونانی طب کے ساتھ مغربی طب سے اس قدر واقف ہوں کہ وہ طبّی میدان میں ہورہی نت نئی دریافتوں سے استفادہ کرسکیں۔ اس ضرورت کے تحت مدرسہ طبیّہ میں مغربی طب کی تعلیم کو شروع سے اہمیت دی گئی۔

حکیم اجمل خاں نے اکمل الاخبار میں اس مدرسہ کے اغراض ومقاصد بیان کرتے ہوئے لکھا تھا:

> ''یہاں طلبہ کے لیے ڈاکٹری کی تعلیم کو لازمی قرار دیا گیا ہے اور نعشوں کی تشریح اور مختلف قسم کے آپریشن دیکھنے کے لیے سول ہسپتال سے اجازت حاصل کرلی گئی ہے اور ہسپتالوں کی حاضری کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ علم طبیعی اور جدید سائنس کے لکچروں کو سننے اور طبعیات کے تجربے دیکھنے کا بھی ذریعہ پیدا کیا گیا ہے''۔[۴]

حکیم عبدالمجید خاں، حکیم واصل خاں اور حکیم اجمل خاں نے مدرسہ طبیّہ میں طبّی تعلیم کا جو منہج اختیار کیا، اس کے محرک وہ مخصوص عوامل تھے، جو مغربی علوم وفنون اور مغربی نظام تعلیم کے ہندوستان آمد کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ شریفی خاندان نے بدلتے تقاضوں، طب کی تعلیمی بدحالی اور فنّی پسماندگی کو بہت پہلے محسوس کرلیا تھا اور انہوں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ محض قدیم طبّی سرمایہ کی تعلیم وتعلم پر تکیہ ناکافی ہے۔ اس لیے اس مدرسہ کے بانیان اس رجحان کے حامی تھے کہ اطباء اپنے اسلاف کی روایات اور ان کے عظیم ورثہ کی پاسبانی کے ساتھ بقدر ضرورت جدید طبّی سائنس سے بھی واقف ہوں، تاکہ وہ قدیم صداقتوں کو جدید زاویوں سے پرکھنے کے لائق ہوسکیں۔

حکیم اجمل خاں مدرسہ طبیّہ کو محض ایک تعلیم گاہ کی بجائے، طب کی ایک تحریک سمجھتے تھے۔ لہٰذا اس کے تحریکی دائرہ کو وسیع کرنے کے لیے ایک ایسے آرگن کی ضرورت تھی، جو حلقۂ اطباء سے رابطہ کا ذریعہ ہو۔ ۱۹۰۲ء میں حکیم اجمل خاں رامپور سے دہلی آئے، اس زمانہ میں انہوں نے مجلّہ طبیّہ کے نام سے مدرسہ کا آرگن شائع کیا۔ یہ ایک ماہانہ رسالہ تھا، جس میں مدرسہ کی خبروں کے علاوہ طبّی مضامین شائع ہوتے تھے۔[۵]

۱۹۱۱ء میں مسیح الملک حکیم اجمل خاں شہنشاہ جارج پنجم کی تاجپوشی کے موقع پر نواب صاحب رامپور کے قائم مقام کی حیثیت سے انگلستان تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپسی پر انہوں نے فرانس، جرمنی، آسٹریلیا اور ترکی کی بھی سیر کی اور انہوں نے ان ممالک میں طب کی ترقیوں کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ یہاں کے مشاہدات سے جو تجربے حاصل کیے تھے، اس کی روشنی میں انہوں نے طبِ قدیم کی اصلاح وتجدید اور ترقی کے لیے مدرسہ طبیّہ میں بہت سے اقدامات کیے۔ مسیح الملک کا یہ سفر طبّی ریفارم کے حوالہ سے تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔[۶]

اس سفر سے واپسی پر مسیح الملک نے مدرسہ طبیّہ کی توسیع اور اس کے تعلیمی نظام کو جدید اسلوب عطا کرنے کا ایک وسیع منصوبہ تیار کیا۔ چنانچہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۲ء میں انجمن طبیّہ کے سالانہ جلسہ میں انہوں نے ایک مفصل رپورٹ پیش کی اور انجمن کے ممبران کے سامنے اپنے توسیعی منصوبوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''مدرسہ طبیّہ کی تاسیس کے جو مقاصد تھے وہ مدرسہ طبیّہ سے پورے نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ان کی تکمیل کے لیے ایک ایسی درس گاہ کی ضرورت ہے، جس سے یونانی اور ویدک کی مکمل تعلیم کا مقصد حل ہو سکے۔ جس میں طلبہ کو نہ صرف کتابی، بلکہ عملی طبّی تعلیم دی جاسکے اور اس درس گاہ سے ایسے فارغین نکلیں جو یونانی اور ویدک کی نہایت اعلیٰ اور مکمل تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ جراحی اور ڈاکٹری کے مسلمہ مفید حصہ تک دسترس رکھتے ہوں۔ جنہیں انسانی مشین کے متعلق قدیم اطباء کے اقوال ہی یاد نہ ہوں، بلکہ انہیں خود اس کی بصیرت

حاصل ہو‘‘۔[۷]

مدرسہ طبیہ کو کالج کی شکل عطا کرنے کے منصوبہ کا یہ پہلا اظہار تھا۔ مدرسہ طبیّہ کو کالج کا درجہ دینے کے منصوبہ کو نواب رامپور کی تائید اور تعاون حاصل تھا۔۱۳ فروری ۱۹۲۱ء کو کالج کی بلڈنگ کی رسم افتتاح کے موقع پر مسیح الملک نے کالج کی سالانہ رپورٹ میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا:

’’مجھے اس موقع پر ہز ہائنس جناب نواب صاحب والیِ ریاست رامپور کا ذکر خیر کرنا چاہئے، جنہوں نے سب سے پہلے مجھے مشورہ دیا تھا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ طبّی اسکول کو کالج بنا دیا جائے۔ اور موجودہ ضروریات طب کو پیش نظر رکھ کر کالج کے لیے ایک وسیع عمارت تعمیر کی جائے۔ اس غرض کے لیے انہوں نے ان بارہ سو روپیہ کے علاوہ جو وہ پہلے سے عطا فرما رہے تھے، پچاس ہزار روپیہ کی گراں قدر رقم عطا فرمائی‘‘۔[۸]

مسیح الملک کے اس توسیعی منصوبہ کے لیے مدرسہ طبیّہ کی قدیم عمارت ناکافی تھی، لہٰذا انہوں نے قرولباغ میں ایک وسیع قطعۂ آراضی خریدنے کا منصوبہ بنایا۔ چیف کمشنر نے اس زمین کی جو قیمت مقرر کی وہ بہت زیادہ تھی، مگر لارڈ ہارڈنگ کی ایماء پر کمشنر نے یہ زمین حکیم صاحب کو ان کے حسب منشا پر عطا کی۔[۹]

مسیح الملک کی دعوت پر ۱۹ مارچ ۱۹۱۶ء کو لارڈ ہارڈنگ نے قرولباغ میں کالج کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس عمارت کی تعمیر پر اس وقت سات آٹھ لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے۔[۱۰]

اس رسم تنصیب کے موقع پر حکیم اجمل خاں نے وائس رائے لارڈ ہارڈنگ کی خدمت میں ایڈرس پیش کر کے کالج کے نصب العین کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

’’گو کہ ہمارے ملک میں ویدک اور یونانی کی تعلیم پرائیویٹ طریقہ پر ہو رہی ہے۔ اور کئی مدرسے ان علوم کی اشاعت کر رہے ہیں، لیکن ان کے معیار تعلیم کو بلند کرنے اور مغربی طب کے بعض ضروری حصوں سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے ہم کو ضرورت تھی کہ ہم ایک ایسا کالج بنائیں جو ہماری ضرورتوں کے لیے کافی ہو سکے اور جس میں باقاعدہ دیسی طب کی تعلیم اناٹومی اور سرجری کے ساتھ دی جائے‘‘۔[۱۱]

شفاء الملک حکیم رشید احمد لکھتے ہیں:

’’کالج کی اس پر شکوہ عمارت کو دیکھ کر سر آغا خاں نے کہا تھا کہ یہ کالج ہندوستان کا نہیں بلکہ یورپ کا طبّی کالج معلوم ہوتا ہے‘‘۔

مزید لکھتے ہیں:

’’جب کالج کے افتتاح کا وقت آیا تو ترکِ موالات کا زمانہ تھا، لہٰذا حکیم صاحب نے وائس رائے کے بجائے گاندھی جی کے ہاتھوں یہ رسم انجام دلوائی۔ اگر اس وقت حکیم صاحب وائس رائے کو افتتاح کی دعوت دیتے تو یہ دعوت بخوشی منظور کر لی جاتی۔ اور امید تھی کہ کالج کے لیے پانچ لاکھ روپئے نقد اور پانچ ہزار روپیہ ماہانہ اعانت کا اعلان ہو جاتا۔ اور حکومت کے اس قدام کے بعد ہندوستان کی ریاستوں سے گرانقدر اعانتوں کی توقع تھی۔ اور کالج کے فارغین کی حکومت کی نگاہ میں زیادہ وقعت ہوتی‘‘۔[۱۲]

۱۳ فروری ۱۹۲۱ء کو گاندھی جی کے ہاتھوں اس عمارت کا افتتاح عمل میں آیا۔ مسیح الملک نے افتتاحی تقریب میں نواب رامپور، سیٹھ جمال رنگون، مہاراجہ پٹیالہ، بیگم بھوپال، مہاراجہ گوالیار، مہاراجہ اندور اور سلطان رئیس دہلی کا بطور خاص ذکر اور شکریہ ادا کیا۔ اس عمارت کی تعمیر کے لیے سیٹھ جمال رنگون نے پچاس ہزار کی رقم خود پیش کرنے کے علاوہ دوسرے لوگوں سے چندہ دلوایا تھا۔ ان کی کوششوں سے رنگون سے ڈھائی لاکھ کا چندہ ہوا تھا۔[۱۳]

۱۹۱۲ء میں مسیح الملک نے مدرسہ طبیّہ کو کالج میں تبدیل کرنے کی اسکیم تیار کیا اور اس کالج میں طبّی تعلیم کے متوازی ویدک تعلیم کا بھی اہتمام کیا۔ ۱۹۱۴ء سے کالج میں ویدک تعلیم کا آغاز ہوا۔ ساتھ ہی بورڈ آف ٹرسٹیز میں ہندوؤں کو کافی تعداد میں شامل کیا۔ ممکن ہے کہ کالج سے آیورویدا اور ہندوؤں کو جوڑنے کے پیچھے کچھ سیاسی مصلحتیں بھی رہی ہوں، اس لیے کہ اس زمانہ میں مسیح الملک سیاست سے وابستہ ہو چکے تھے اور وہ سیاسی دنیا میں سیکولر شبیہ کے حامل سمجھے جاتے تھے۔ لہٰذا طبیّہ کالج سے آیورویدا اور ہندوؤں کو جوڑ کر اپنی سیاسی امیج اور تعلیمی مشن میں سیکولر رنگ پیدا کرنا چاہ رہے ہوں۔ ایک ممکنہ وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس زمانہ میں تحریکِ آزادی کا بگل بج چکا تھا اور دیر سویر ملک کو آزاد ہونا تھا۔ آزادی کے بعد قائم والے جمہوری نظام حکومت میں مسلمان اس ملک میں اقلیت میں ہوتا۔ ان حالات میں

یونانی طب کو بہر کیف آیوروید کے تابع ہونا تھا۔ مسیح الملک کی دوررس سیاسی بصیرت نے ان پیش آنے والے حالات کا اندازہ کر لیا تھا اور حالات کی پیش بندی کے طور پر پہلے ہی آیوروید اور یونانی کو جوڑنے کی تدبیر کر لی تھی، لیکن آیوروید اور ہندوؤں کو اس ادارہ سے جوڑنے کی اس وقت بظاہر وجہ یہ تھی کہ میڈیکل رجسٹریشن ایکٹ کے خلاف ایجی ٹیشن اور یونانی بشمول دوسری دیسی طبوں کے حقوق تحفظ اور بازیابی کے لیے مشترکہ جدوجہد کے لیے ویدوں اور ہندوؤں کو ساتھ لینا ضروری تھا۔

مسیح الملک نے سیاحتِ فرنگ کے بعد طبّی نصاب کی اصلاح اور اس کی تجدید و تدوین کے مسائل کی طرف خاص توجہ فرمائی اور عملی اقدامات کیے۔ اس سلسلہ میں ایک اہم قدم اٹھاتے ہوئے انہوں نے یونانی اور ویدک دونوں کے نصاب میں فزیالوجی اور کیمسٹری کی تعلیم کو لازمی مضمون کی حیثیت سے شامل کیا۔ ان کے اس اقدام سے طلبہ میں شورش بھی پیدا ہوئی، مگر انہوں نے اسے تدبیر کے ساتھ فرو کر دیا۔[۱۴]

مسیح الملک کا خیال تھا کہ اجنبی اور غیر مانوس زبان میں تعلیم سے طلبہ پر دوہرا بوجھ آن پڑتا ہے اور فنّی مسائل کے ساتھ لسانی پیچیدگیوں کو سلجھانے میں ایک مدت صرف ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ ایسی زبان میں تعلیم کے حامی تھی، جو طلبہ کے لیے مانوس ہو۔ لہٰذا انہوں نے اس کالج میں اردو کو تعلیمی زبان کا درجہ دیا۔ اور اس زبان میں تعلیم کو ضروری قرار دیتے ہوئے اردو زبان میں درسیات کی تیاری کے لیے اہتمام اور عملی اقدام کیے۔[۱۵]

مسیح الملک کے ذہن میں اس کالج کی بابت نہایت وسیع منصوبے تھے۔ وہ اس کالج کے کردار کو محض ایک طبّی درس گاہ تک محدود کرنے کی بجائے اسے طب کا ایک مرکزی ادارہ بنانا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ کالج طب کی تعلیم گاہ کے ساتھ ہندستان میں طب کا پالیسی ساز ادارہ بنے اور طب کے ایک مرکزی ادارہ کے طور پر طبّی تعلیم کے میدان میں قیادت کے فرائض ادا کرے۔ اس کالج کو دوسری طبّی تعلیم گاہوں کے لیے ماڈل اور نمونہ بنانے اور اسے طبّی دنیا میں رہنما اور مشعل بردار کا مرتبہ عطا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ یہ کالج اس وقت کے تعلیمی مسئلوں کا حل پیش کرتا اور قائدانہ اہلیت کا ثبوت دیتا۔ اس عہد کا سب سے اہم مسئلہ تعلیمی نصاب تھا۔ حکیم اجمل خاں نے وقت کے اس اہم داعیہ کو محسوس کرتے ہوئے جولائی ۱۹۲۶ء میں کالج سے ملحق شعبۂ تحقیقات کی بنیاد ڈالی اور علمی و عملی تحقیقات، اس شعبہ کا مطمح نظر قرار پائیں۔ مسیح الملک چاہتے تھے کہ علمی شعبہ میں طب کے ماہرین، قدیم نصاب پر جدید معلومات کی روشنی میں تنقید و تنقیح کریں۔ اور طب کا ایک بہتر نصاب تیار کریں۔ اس غرض کے لیے انہوں نے ایک کمیٹی بنائی تھی۔ جس کے ساتھ وہ خود بھی کام کرتے تھے۔ حالانکہ اس زمانہ میں وہ رامپور اور مسوری میں مقیم تھے مگر کمیٹی کے اجلاس میں پابندی سے شریک ہوتے تھے۔[۱۶]

مسیح الملک نے مسوری کے زمانۂ قیام میں علمی شعبہ کے اراکین کو، پابند عہد کرنے کے لیے ایک عہد نامہ لکھ کر اس پر کمیٹی کے دستخط لیے۔ دستخط کنندگان میں حکیم اجمل خاں، حکیم الیاس خاں، حکیم کبیر الدین، حکیم فضل الرحمٰن، حکیم عبدالحفیظ، ڈاکٹر سید ناصر عباس کے نام شامل ہیں۔[۱۷]

تحقیقات کا دوسرا شعبہ ادویات سے متعلق تھا۔ حکیم اجمل خاں چاہتے تھے کی یونانی مفردات کا جدید سائنسی تناظر میں مطالعہ کیا جائے اور ادویہ معلومہ کی فہرست میں نئے مفردات کا اضافہ کیا جائے اور مرکبات کو تحلیل و تجزیہ کے ذریعہ پرکھ کر، حاصل شدہ معلومات کی روشنی میں ان کی اصلاح کی جائے۔ اس کے لیے ایک ماہر فن کی ضرورت تھی، چنانچہ شعبہ کی طرف سے ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی کو فنی تربیت کے لیے جرمنی بھیجا گیا، انہوں نے جرمنی سے تربیت حاصل کر کے ریسرچ ڈائرکٹر کی حیثیت سے شعبۂ تحقیقات میں خدمات انجام دیں۔[۱۸]

اس شعبہ کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ طب کے قدیم شعبۂ ادویہ میں ایسی اصلاح کی جائے کہ قدیم دواؤں کی خصوصیات تو برقرار رہیں، لیکن ان میں ندرت پیدا ہو جائے اور وہ موجودہ سائنٹفک دنیا میں قبولیت کا مرتبہ حاصل کر سکیں۔

کالج اور اس کے ذیلی شعبوں کے انتظامی امور، شریفی خاندان کے کسی مخصوص فرد کے بجائے انجمن طبیّہ نام کی مجلس منتظمہ کے سپرد تھے۔ حکیم اجمل خاں انجمن کے صدر تھے۔ جب انجمن کی جگہ بورڈ آف ٹرسٹیز قائم ہوا تو وہ اس کے سکریٹری منتخب ہوئے۔ ان دونوں عہدوں کے اختیارات یکساں تھے۔ بورڈ کا سکریٹری منتخب ہونے کے بعد حکیم اجمل خاں کو انتظامی امور میں اپنی معاونت کے لیے ایک جوائنٹ سکریٹری کی

ضرورت تھی۔ انہوں نے اس عہدہ پر پیرزادہ محمد حسین [سابق سشن جج] کو ایک معقول مشاہرہ پر مامور کیا۔[19]

۱۲/۱۱ اگست ۱۹۱۱ء میں دفعہ ۲۱، ۱۹۶۰ء کے تحت انجمن طبیّہ کا رجسٹریشن ہوا۔ ۱۵/ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو یہ انجمن دی بورڈ آف ٹرسٹیز آف دی آیورویدک اینڈ یونانی کے نام سے موسوم ہوئی۔ اور انجمن کے تمام اختیارات اور منصبی فرائض اور اس کی تحویل کی تمام جائدادیں بورڈ کے ٹرسٹیوں کے حق میں منتقل کر دی گئی۔ بورڈ نے ۳۵ ٹرسٹیوں پر مشتمل ایک منتظمہ کمیٹی تشکیل دی، جس میں حکیموں اور ویدوں کی تعداد مساوی رکھی گئی تھی۔

مختلف شعبوں کی نگرانی اور ان کے انتظام و انصرام کے لیے مندرجہ ذیل چھ کمیٹیاں قائم کی گئیں:

۱- سب کمیٹی برائے ہندوستانی دواخانہ
۲- سب کمیٹی برائے رسائن شالہ
۳- تعلیمی سب کمیٹی
۴- سب کمیٹی ہسپتال
۵- سب کمیٹی برائے تعمیرات و اسٹور
۶- ریسرچ [علمی و عملی] سب کمیٹی

کالج کی ریسرچ سب کمیٹی میں حکیم محمد احمد خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، نواب ابوالحسن خاں، لالہ رام پرشاد، سردار مہتاب سنگھ، ڈاکٹر سید محمد جنید قریشی، ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی، قاضی عبد الغفار، حکیم محمد الیاس خاں، حکیم محمد ظفر احمد خاں، پنڈت ہری رنجن ممبر تھے۔[20]

دسمبر ۱۹۲۷ء میں مسیح الملک کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادہ حکیم محمد جمیل خاں بورڈ آف ٹرسٹیز کے سکریٹری منتخب ہوئے۔ حکیم محمد احمد خاں سے اختلاف کی وجہ سے انتظامی کشمکش کا سلسلہ رہا اور تقریباً ایک ماہ تک ان کے خلاف کالج میں اسٹرائک رہی۔ ۱۹۲۹ء میں انہیں اس عہدہ سے علاحدہ کر کے بورڈ نے حکیم محمد احمد خاں کو سکریٹری مقرر کیا۔ ۱۹۳۷ء میں حکیم محمد جمیل خاں دوبارہ سکریٹری بنے اور ۱۹۴۹ء تک طبیّہ کالج ان کی زیر نگرانی رہا۔ ۱۰/۱۱ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو حکومت نے جمیل خاں کی جگہ کالج پر ریسیور مقرر کر دیا۔[21]

۱۹۵۲ء میں دہلی اسمبلی نے طبیّہ کالج ایکٹ منظور کیا۔ ایکٹ کے مطابق ۲۷/ اپریل ۱۹۵۳ء کو طبیّہ کالج بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی۔ کرنل بشیر حسین زیدی طبیّہ کالج بورڈ کے پہلے چیرمین بنائے گئے۔ بورڈ کے قیام کے بعد کالج کے انتظام میں کسی قدر سدھار ہوا، لیکن پھر ۱۹۶۳ء سے بدانتظامی شروع ہوگئی اور یہ سلسلہ چھ سال تک قائم رہا۔ ۱۹۶۷ء میں ہردیال دیوگن طبیّہ کالج بورڈ کے چیرمین منتخب ہوئے، انہوں نے بدنظمی کے دور سے کالج کو نکالنے کی کوشش کی۔ 1963ء میں حکومتِ ہند کے ذریعہ ویاس کمیٹی کی تشکیل ہوئی، جس نے طبیّہ کالج کے نصاب کو مفید اور موثر بنانے کے لیے کئی اہم تبدیلیاں کیں، حکومت کے سرکلر سے ایک نیا نصاب کالج میں جاری ہوا۔ سابقہ نصاب کی طرح اس کی مدت تعلیم پانچ سال تھی۔ ہائر سکنڈری داخلہ کی اہلیت قرار پائی، جس میں سنسکرت اور عربی داں طلبہ کو ترجیح دی جاتی تھی۔ ۱۹۷۰ء میں کالج کی طرف سے مستقبل کے لائحہ عمل کے تحت حکومت کو ایک تین نکاتی اسکیم ارسال کی گئی تھی، جس میں پوسٹ گریجویٹ تعلیم کا منصوبہ بھی شامل تھا۔[22]

اس کالج میں پی جی تعلیم کا منصوبہ ۱۹۷۰ء سے تھا، مگر یہ اسکیم بہت دیر سے روبہ عمل ہوئی اور شروع ہونے کے کچھ ہی دنوں بعد کالج میں اساتذہ کی مطلوبہ تعداد اور ضروری انفرااسٹرکچر کی کمی جیسے مسائل سے دوچار ہو کر التواء کا شکار ہوگئی۔

یہ کالج برطانوی عہد حکومت میں قائم ہونے والا طبّی تعلیم کا پہلا ادارہ تھا اور اس نے طبّی تعلیم کے میدان میں جو نقوش ثبت کیے تھے، وہ اتنے دوررس اور دیرپا تھے کہ اس عہد کے دوسرے تعلیمی اداروں میں اس کی تقلید کی گئی اور نصاب تعلیم کے حوالے اس کالج کے قائم کردہ خطوط کی اب تک پیروی کی جارہی ہے، لیکن ۱۹۲۷ء کے بعد اس کالج پر انحطاط کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ اب تک قائم ہے۔ اس کالج نے اپنے قیام کے ابتدائی زمانہ میں طبّی تعلیم کے میدان میں رہنمائی اور مشعل برداری کا کردار ادا کیا تھا، مگر روشن ماضی کا یہ واقعہ اب محض ایک یاد بن کر رہ گیا ہے۔

اس وقت یہ ادارہ صوبہ دہلی کے زیر انصرام ہے۔ اور اس کی وہی حالت ہے جو ہندوستان میں دوسرے صوبائی سرکاری اداروں کی ہے۔ مگر بہت دور امید کی ایک کرن نظر آرہی ہے، گزشتہ دو تین سالوں میں کئی لائق

نوجوان اساتذہ کی عارضی تقرری ہوئی ہے۔تب سے تعلیمی ماحول میں کسی قدر بدلاؤ محسوس ہورہا ہے۔اگر یہ اساتذہ مستقل ہو جاتے ہیں اور انہیں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا موقع ملتا ہے تو موجودہ حالات میں مزید خوشگوار تبدیلیاں پیدا ہونے کے آثار ہیں۔

حوالے

۱- اجمل اعظم، انتظار حسین،ص ۶۷
۲- تذکرۃ الخواجگان،ص ۹۶،۹۹،۱۱۰
۳- حیات اجمل، قاضی عبدالغفار،ص ۲۳ تا ۲۷
۴- اجمل اعظم، انتظار حسین، ۶۷
۵- تذکرہ مسیح الملک، حکیم محمد حسن قرشی۔ص 22،21
۶- ایضاًص ۳۶ تا ۴۰
۷- سیرت اجمل حکیم جمیل خاں،ص ۲۷،۳۷
۷- آیورویدک اینڈ یونانی طبّی کالج، دہلی کی سہ سالہ رپورٹ ۱۹۱۸ تا ۱۹۲۰ء
۹- حکیم اجمل خاں، کوثر چاند پوری، ۱۵۵
۱۰- تذکرہ مسیح الملک، حکیم محمد حسن قرشی۔ص ۵۸
۱۱- سیرت اجمل، حکیم جمیل خاں،ص ۹۶،۹۷
۱۲- حیات اجمل، حکیم رشید احمد خاں،ص ۶۵،۶۶،۷۵
۱۳- آیورویدک اینڈ یونانی طبّی کالج، دہلی کی سہ سالہ رپورٹ ۱۹۱۸ء تا ۱۹۲۰ء
۱۴- تذکرہ مسیح الملک، حکیم محمد حسن قرشی۔ص ۳۹،۴۰
۱۵- ماہنامہ حامی الشفا [اجمل اعظم نمبر]ص ۶۳ اور حیات اجمل مؤلفہ حکیم رشید احمد خاں،ص ۴۴،۴۵
۱۶- حیات اجمل، قاضی عبدالغفار،ص ۴۱۰۔۴۱۱ اور قانون عصری، حکیم محمد الیاس خاں،ص ۲۴،۲۳
۱۷- اے جرنی آف ریسرچ ان یونانی میڈیسن،ص ۱۱
۱۸- حیات اجمل، قاضی عبدالغفار،ص ۴۱۰-۴۱۱
۱۹- حیات اجمل، حکیم رشید احمد خاں،ص ۱۱۵
۲۰- دستور العمل برائے بورڈ آف ٹرسٹیز
۲۱- دلی اور طب یونانی، حکیم سید ظل الرحمٰن،ص ۳۷،۳۶
۲۲- بیاض اجمل، انور علی دہلوی،ص ۱۹-۲۰

کتابیات

۱- اجمل اعظم، انتظار حسین، ناشر یادگار اجمل، گلبرگ، لاہور، ۱۹۹۵ء
۲- اے جرنی آف ریسرچ ان یونانی میڈیسن، شائع کردہ سی سی آر یو ایم، نئی دہلی ۲۰۰۵ء
۳- آیورویدک اینڈ یونانی طبّی کالج کی سہ سالہ رپورٹ [۱۹۱۸ تا ۱۹۲۰ء] جو مہاتما گاندھی کے سامنے اس کی رسم
۴- افتتاح کے موقع پر ۱۳ فروری ۱۹۲۱ء کو پڑھی گئی، مطبوعہ غنی المطابع، دہلی
۵- بیاض اجمل، انور علی دہلوی، [آیورویدک اینڈ یونانی طبّی کالج کی سالانہ رپورٹ، پیش کردہ برہم دت شرما بتاریخ
۶- ۲۹ مارچ ۱۹۷۰ء] پیش کش آیورویدک اینڈ یونانی طبّی کالج، بورڈ
۷- تذکرۃ الخواجگان، حکیم خواجہ احسان اللہ، شائع کردہ یونانی شفاخانہ لشکر، ۱۹۴۱ء
۸- تذکرہ مسیح الملک، حکیم محمد حسن قرشی، ناشر ناظم مشیر الاطباء، چشمۂ زندگی، حویلی کابلی مل، لاہور ۱۹۲۸ء
۹- حکیم اجمل خاں، کوثر چاند پوری، ناشر نسیم بکڈ پو، لکھنؤ، اشاعت ۱۹۷۳ء
۱۰- حیات اجمل، حکیم رشید احمد خاں، ناشر عالمی اردو مرکز، دہلی، اشاعت دوم ۲۰۰۲ء
۱۱- حیات اجمل، قاضی عبدالغفار، انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، اشاعت ۱۹۵۰ء
۱۲- دستور العمل برائے بورڈ آف ٹرسٹیز آیورویدک اینڈ یونانی، طبّی کالج دہلی جو ۱۱۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو وضع ہو کر نافذ العمل ہوا۔ترمیم شدہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۲۵ء
۱۳- دلی اور طب یونانی، حکیم سید ظل الرحمٰن، اردو اکادمی، دہلی، اشاعت ثانی ۲۰۱۱ء
۱۴- سیرت اجمل، حکیم جمیل خاں، ہندوستانی دواخانہ دہلی، سنہ اشاعت نامعلوم
۱۵- ماہنامہ حامی الشفا [اجمل اعظم نمبر] جنوری، فروری 1963ء مقام اشاعت باب الشفاء، میرٹھ

●●●

ڈبہٴ اطفال

☆حکیم محمد فضیل

☆☆طبیبہ سعدیہ نکہت

گزشتہ چند سالوں میں معالجاتی طب نے غیر معمولی ترقی کی ہے۔ اس ذیل میں معالجۂ اطفال میں بھی نمایاں و قابلِ ستائش تحقیقات ہوئی ہیں۔ نتیجتاً بہت سی نئی ادویہ، خصوصاً ضد حیوی ادویہ کی تعداد اور ان کے استعمال میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ چنانچہ عصر حاضر میں اکثر معالجین غیر ارادی طور پر یہ کوشش کرتے ہیں کہ ہر مرض کا علاج بالدوا کے ذریعہ مکمل مداوا کر دیں حقیقتاً طب کا مقصد بھی یہی ہے کہ نوعِ انسانی کو امراض سے نجات دلائی جائے، لیکن اس کا مناسب طریقۂ کار نہ صرف مرض بلکہ مریض اور اس کی طبیعت کے اعتبار سے بھی مختلف ہوتا ہے۔

انڈین اکادمی آف پیڈیاٹرکس[Indian Academy of Pediatrics] کے مطابق بچوں کے جسم میں ایسی طبعی خصوصیات موجود ہوتی ہیں جو خود بخود ان کو امراض سے شفاء دلانے میں معاون ہوتی ہیں۔ چنانچہ وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ معالجۂ اطفال کے ذیل میں علاج بالدوا کا اطلاق مکمل حفظانِ صحت پر نہیں ہوتا۔[۱] اس کا مفہوم غالباً یہی ہے کہ بچوں میں طبیعت کو قوی کرنا زیادہ اہم ہے اور علاج بالدوا معالجۂ اطفال کا صرف ایک جز ہے۔

امراض اطفال کے ذیل میں ذات الریہ ایک اہم مرض ہے، جو باوجود بہت سی شافی ادویہ کی موجودگی کے، عصر حاضر میں بچوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنی گرفت میں لی لیتا ہے۔ ڈاکٹر او پی گھئی کے مطابق دنیا میں اموات اطفال کا سب سے بڑا سبب ذات الریہ ہے۔ خصوصاً ترقی پذیر مما لک میں ہر سال تقریباً ۳ ملین اموات کا سبب ذات الریہ ہے، جو تمام دنیا میں ہونے والی اموات اطفال کا ۱۹ فیصد ہے۔[۲] اس سے واضح ہوتا ہے کہ جدید ادویہ و تدابیر کسی باعث مکمل طور پر کارآمد ثابت نہیں ہو رہی ہیں۔ اس کی ممکنہ وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ خصوصاً ترقی پذیر مما لک میں بچوں کی قوت مدافعت نہایت کمزور ہوتی ہے اور معالجین اکثر اس جانب توجہ نہیں دیتے۔ اس کے علاوہ جدید ضد حیوی ادویہ نسبتاً مہنگی ہوتی ہیں، جس کے باعث ان کا استعمال ہر عام و خاص کے لیے ممکن نہیں ہوتا، خصوصاً ترقی پذیر مما لک میں یہ دشواری پیدا ہوتی ہے۔

اطباء یونانی نے صحتِ اطفال کو نہایت اہمیت دی ہے۔ ان کے مطابق بچوں کی صحت کی جانب غیر معمولی توجہ دینا ضروری ہے، تاکہ آئندہ عمر میں انسان صحت مند رہ سکے۔ اسی ذیل میں اطباء نے ڈبہٴ اطفال پر بھی تحقیق کی اور اپنے تجربات کی روشنی میں مختلف نسخے ترتیب دیئے جو موثر ہونے کے ساتھ ساتھ مدافعت کو قوی بھی کرتے ہیں۔ اپنے تجربات کی بناء پر اطبا نے ایسے معجزاتی علاج بیان کیے، جو جدید طب میں بھی ممکن نہیں معلوم ہوتے۔ مثلاً حکیم اجمل خاں کی زندگی کا ایک واقعہ

☆اسسٹنٹ ڈائرکٹر[یونانی طب]، لیٹریری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ آف یونانی میڈیسن، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی-۱۱۰۰۶۲

☆☆پی جی اسکالر، شعبۂ تحفظی و سماجی طب، فیکلٹی آف میڈیسن[یونانی]، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی-۱۱۰۰۶۲

درج ذیل ہے:

حکیم صاحب کی خدمت میں ایک صاحب اپنی اہلیہ کو لے کر حاضر ہوئے اور بیان کیا کہ ان کے سات بچے ڈبہ اطفال کا شکار ہوکر جاں بحق ہوگئے ہیں۔ حکیم صاحب نے ان کی اہلیہ کو چند تدابیر تجویز کیں [جن کا ذکر اس مضمون کے دیگر صفحات میں کیا جائے گا] جن کی وجہ سے بحکم اللہ ان کا اگلا بچہ تندرست رہا اور نوجوانی کی عمر کو پہنچا۔ چنانچہ اس کے والدین نے بچہ کا نام حکیم صاحب کے نام پر رکھا۔[۳]

اطباء ذات الریہ یا ورم ریہ کا لفظ پھیپھڑے کے ورم کے لیے استعمال کرتے ہیں۔[۴] اس مرض کے لیے اطباء ہند 'ڈبہ' یا پسلی کا عارضہ، کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔[۵] اسی بناء پر اس مرض کو 'ڈبہٗ اطفال' بھی کہا جاتا ہے۔[۶] جدید طب میں اس مرض کو Pneumonia کے نام سے جانا جاتا ہے۔[۷] سید اسماعیل جرجانی [۱۲ ہویں صدی عیسوی] کے مطابق ذات الریہ کا علاج ایک دشوار امر ہے، کیونکہ پھیپھڑے جب تک مواد مرض سے مکمل طور پر پاک نہ ہوجائیں، تب تک صحت حاصل نہیں ہوتی۔[۸] ابن زہر [۱۰۹۲-۱۱۶۲ء] کے مطابق ریہ میں بھی دیگر اعضاء کی طرح ورم لاحق ہوتا ہے اور اس کی وجہ اخلاط اربعہ میں سے کوئی بھی خلط ہوسکتی ہے اور بیک وقت متعدد اخلاط کا انصباب بھی اس کا سبب ہوسکتا ہے۔[۹] اس کے علاوہ ورم ریہ اس لیے بھی تشویش کا باعث ہے کہ ریہ ایک ذکی الحس اور شریف عضو ہے اور قلب کے قریب ہی موجود ہوتا ہے اور جسم میں ایک نہایت اہم فعل انجام دیتا ہے، یعنی انبساط کے ذریعہ نسیم کو جسم میں داخل کرانا تا کہ حرارتِ غریزیہ برانگیختہ ہو اور دخان کو جسم سے خارج کرانا۔[۱۰] اس کے علاوہ ریہ کی ساخت متخلخل ہونے کی وجہ سے اس میں مواد کا نضج واخراج بھی دشوار ہوتا ہے۔ چنانچہ اطباءِ قدیم کا خیال تھا کہ اگر ریہ میں کوئی غیر طبعی صورت حال پیدا ہوجائے تو اس کے نتائج مہلک بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔[۱۱]

اسباب وعلامات:

بیشتر اطباء کی رائے ہے کہ ذات الریہ ورم حار کی قسم سے ہے۔[۱۲-۱۳] اس ذیل میں علی ابن عباس مجوسی [۹۳۰-۹۹۴ء] کا خیال ہے کہ ورم ریہ زیادہ تر دموی ہوتا ہے اور اگر ریہ ضعیف ہوں تو صفراوی بھی ہوسکتا ہے۔[۱۴] جرجانی کا خیال ہے کہ ورم ریہ کا سبب زیادہ تر خلط بلغم ہوتی ہے اور اس کے بعد خلط دم چونکہ ریہ متخلخل ہوتے ہیں، اس لیے خلط صفراء اس میں زیادہ نہیں ٹھہرتی، چنانچہ اکثر موجب مرض بھی نہیں ہوتی۔[۱۵] اطباء یہ بھی کہتے ہیں کہ ذات الریہ کا سبب خلط سوداوی کا ہونا بعید از امکان ہے، کیونکہ وہ اپنی غلظت کی وجہ سے ریہ سے دور رہتا ہے۔[۱۶]

عصر حاضر میں ثابت ہوا ہے کہ ذات الریہ زیادہ تر تعدیہ کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ متعدد جراثیم ذات الریہ کا سبب ہوسکتے ہیں، جس میں مختلف قسم کے وائرس اور بیکٹر یا اور شامل ہیں۔ بچوں میں زیادہ تر Staphylococcus کے تعدیہ کی وجہ سے یہ مرض لاحق ہوتا ہے۔[۱۷]

موادِ مرض کے ماخذ کے بارے میں ابن سینا کی رائے ہے کہ ذات الریہ میں موادِ مرض یا تو نزلاوی امراض کے دوران مواد کے ریہ پر گرنے سے پیدا ہوتا ہے یا پھر خناق کا التہاب ریہ تک پہنچ جاتا ہے۔[۱۸] اس کے علاوہ کبھی کبھی ذات الجنب کی وجہ سے بھی ورم ریہ پیدا ہوسکتا ہے۔[۱۹] جالینوس کے مطابق اس صورت میں مرض خطرناک ہوتا ہے۔[۲۰] ابن سینا نے اس میں اضافہ کیا ہے کہ ایسی صورت میں عموماً ساتویں روز مریض کی موت واقع ہوجاتی ہے، اگر چہ طبیعت قوی بھی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں مرض سل کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ ابن سینا کے مطابق ذات الریہ کبھی کبھی حمرہ کی وجہ سے بھی لاحق ہوتا ہے اور اس صورت میں مدت زیادہ ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں ادویۂ مشروبہ اور ضماد سے بھی افاقہ نہیں ہوتا۔[۲۱] اس کی وجہ یہ ہے کہ اس ورم میں حرارت زیادہ ہوتی ہے اور ہضم کے بعد جب ادویہ ریہ تک پہنچتی ہیں تو ان کی قوتِ تبرید کم ہوچکی ہوتی ہے۔[۲۲] چونکہ ریہ قلب کے نزدیک ہے، چنانچہ اس بڑھی ہوئی حرارت کا اثر اکثر مہلک بھی ہوتا ہے۔[۲۳] قدیم اطباء کے یہ مشاہدات خصوصاً لائقِ ستائش ہیں، کیونکہ جدید دور میں بے شمار تحقیقات کے بعد یہ ثابت ہوچکا ہے کہ ڈبہٗ اطفال زیادہ تر آلاتِ تنفس کے نزلاوی امراض کے نتیجہ میں ہی لاحق ہوتا ہے، جو زیادہ تر جراثیمی تعدیہ سے پیدا ہوتا ہے۔[۲۴] یہ بھی مشاہدہ میں آیا ہے خناق کی وجہ سے بھی ڈبہٗ اطفال عارض ہوسکتا ہے۔[۲۵] اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اطباء قدیم کی تحقیقات تجربہ ومشاہدہ کے علاوہ منظّم اصول وضوابط پر مبنی تھیں، جن کی وجہ سے ایسے نتائج برآمد ہوئے، جو فی زمانہ بھی تسلیم کیے جاتے ہیں۔

ورم ریہ کی سب سے اہم علامت ضیق النفس ہے۔ جس کی وجہ سے مریض کو اپنا گلا گھٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔[۲۶] اور سانس کی تنگی کی وجہ سے خناق جیسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔[۲۷] زکریا رازی [۸۵۰-۹۲۵] ربن طبری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس مرض میں مریض کو سانس لینے کے لیے کافی مشقت کرنی پڑتی ہے۔[۲۸] اور سینہ میں بوجھ کا احساس ہوتا ہے۔[۲۹] ابن زہر کے مطابق اس مرض کی ایک خاص علامت یہ ہے کہ تنفس عظیم، سریع اور متواتر ہوتا ہے اور اس کا عظم متوسط درجہ کا ہوتا ہے۔ ساتھ ہی تنفس میں حرارت محسوس ہوتی ہے۔[۳۰] جب بچہ سانس لیتا ہے تو پسلی کے نیچے ایک گولے جیسی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔[۳۱] غالباً اسی بناء پر اس مرض کو عرفِ عام میں پسلی چلنا بھی کہتے ہیں۔ انگریزی میں اسے Chest indawsing کے نام سے جانا جاتا ہے۔[۳۲]

اس کے علاوہ اس مرض کی ایک اور اہم علامت بخار کی موجودگی بھی ہے۔[۳۳] علی بن عباس مجوسی [۹۳۰-۹۹۴ء] کے مطابق یہ بخار خفیف ہوتا ہے اور مسلسل موجود رہتا ہے۔[۳۴] جب کہ جرجانی کا مشاہدہ ہے کہ بخار ابتداء میں خفیف اور نوبتوں کے ساتھ ہوتا ہے اور بعد میں اس کی حرارت قوی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ اس مرض میں بخار ورم کی مناسبت سے ترقی کرتا ہے اور اس کی شدت مادۂ مرض کے تابع ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر ذات الریہ بلغمی ہے تو حمی خفیف ہوگا[۳۵] اور اگر یہ بلغمیہ مادہ رقیق وقلیل ہے تو جلد کو چھونے سے بخار محسوس نہیں ہوتا اور مریض کا جسم ٹھنڈا معلوم ہوتا ہے۔[۳۶] اگر ورم کی وجہ سے قرحۂ ریہ لاحق ہو جائے تو شدید بخار لرزہ کے ساتھ لاحق ہو جاتا ہے۔[۳۷] اس کے علاوہ اس مرض میں سعال بھی لاحق ہوتا ہے[۳۸] اور کھانسی کے ساتھ جھاگ دار بلغم خارج ہوتا ہے۔[۳۹] بعض اوقات تھوکنے پر خون بھی نکلتا ہے۔[۴۰] لیکن یہ بات ذہن نشین کر لینی ضروری ہے کہ بچے اکثر بلغم کو تھوکنے کی بجائے نگل لیتے ہیں، چنانچہ یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ کھانسی کے ساتھ خون و بلغم خارج نہیں ہو رہا ہے۔[۴۱] اس کے علاوہ عصر حاضر میں اکثر اطباء ابتداء مرض میں ہی ضد حیوی ادویہ کا استعمال شروع کر دیتے ہیں یا پھر مریض کے والدین خود ہی کوئی دوا بچے کو دے دیتے ہیں، چنانچہ اگر ایسے کسی مریض سے واسطہ ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ علامات میں کچھ فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ طبیب کی حذاقت پر منحصر ہے کہ وہ مریض کی مکمل روداد سنتے وقت ان امور کو بھی ذہن میں رکھے۔

اس مرض میں سینہ میں بوجھ اور کھنچاؤ بھی محسوس ہوتا ہے۔[۴۲] یہ بوجھ خصوصاً سینہ کے اگلے حصہ میں محسوس ہوتا ہے اور اس کے ساتھ چبھن نہیں ہوتی۔[۴۳] اس کی وجہ ریہ میں جمع شدہ مواد ہیں۔[۴۴] چنانچہ اگر بچہ ماؤف جانب کروٹ سے لیٹتا ہے تو اس کو اس جانب بوجھ کا احساس ہوتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے جوف صدر میں کوئی چیز لٹکی ہوتی ہے۔[۴۵] اور اسی وجہ سے ماؤف جانب کروٹ سے لیٹنے پر اس کو اختناق عارض ہو جاتا ہے۔[۴۶] شیر خوار بچے اس تکلیف کو بیان نہیں کر پاتے، لیکن اگر والدین توجہ دیں تو وہ معلوم کر سکتے ہیں کہ بچہ کس جانب لیٹنے پر تکلیف محسوس کر رہا ہے، جس کا اظہار اکثر رونے کی صورت میں ہوتا ہے اگر بچہ کچھ بڑا ہے تو وہ اپنی تکلیف بیان کر سکتا ہے۔ ساتھ ہی بچہ کا چہرہ اور گردن ممتلی معلوم ہوتی ہے۔[۴۷] جالینوس نے وضاحت کی ہے کہ مریض کی گردن موٹی اور چہرہ بھولا ہوا ہوتا ہے۔[۴۸] جس کی وجہ غالباً عسرِ تنفس ہے۔ چہرے کے تمام اعضاء میں امتلائی کیفیت بھی نمایاں ہوتی ہے۔ آنکھوں کی جھلیاں ابھری ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ پلکیں نیچے کی جانب مائل ہوتی ہیں اور پلکوں کی رگوں میں بھی امتلائی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔[۴۹] آنکھوں کی حرکات سست اور دشوار ہو جاتی ہیں، خصوصاً بخار کی شدت کے وقت یہ حرکات بہت سست ہوتی ہیں۔[۵۰] قرنیہ میں تہیج اور حدقۂ چشم میں جحوظ جیسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔[۵۱] پپوٹوں اور آنکھوں میں ورم ہوتا ہے اور چہرہ میں گرمی معلوم ہوتی ہے۔[۵۲] ان اعراض میں جتنی زیادہ شدت ہوتی ہے، اتنی ہی زیادہ حرارت ورم میں موجود ہوتی ہے۔[۵۳] یعنی یہ اعراض ورم کی شدت کا آئینہ ہیں۔ حرارت کی وجہ سے زبان خشک ہوتی ہے اور مریض مرد ہوا کا خواہشمند ہوتا ہے۔[۵۴]

ذات الریہ کی ایک اور نمایاں علامت یہ بھی ہے کہ مریض کا چہرہ شدید سرخ ہوتا ہے۔[۵۵] خصوصاً رخسار بہت سرخ ہوتے ہیں۔[۵۶] بعض اوقات یہ سرخی اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ رنگ کا گمان ہوتا ہے۔[۵۷] علی ابن عباس مجوسی کے مطابق ورم ریہ کی وجہ سے سینہ میں جو تنگی پیدا ہوتی ہے، وہی اس مرض کا باعث ہوتی ہے اور یہ ذاتی الریہ کی تشخیصی علامات میں سے

ہے۔ یہ سرخی ان گرم بخارات کی وجہ سے بھی پیدا ہوتی ہے جو ریہ سے چہرے اور سر کی جانب صعود کرتے ہیں اور چونکہ رخسار کا گوشت متخلخل ہے، اس لیے وہ گرم بخارات کو زیادہ جذب کرتا ہے۔[۵۸] اسی لیے رخسار زیادہ سرخ معلوم ہوتے ہیں۔

جالینوس بیان کرتے ہیں کہ اس مرض میں آنکھیں بھی مرطوب معلوم ہوتی ہیں۔[۵۹] اس کی توجیہ مجوسی نے یہ معمولی کی ہے کہ آنکھیں چونکہ نرم و نازک عضو ہیں، اس لیے بخارات سے ہی نرم ہوجاتی ہیں۔[۶۰] مریض کو آنکھوں میں حرارت محسوس ہوتی ہے اور وہ ان کو ٹھنڈک پہنچانے کی خواہش محسوس کرتا ہے۔[۶۱] چنانچہ یہ ظاہر ہے کہ اس مرض میں حمی، خشکی وغیرہ جیسے اعراض حرارت قلب وصدر کی وجہ سے لاحق ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سادہ مرض کے اعتبار سے ان اعراض میں تفریق پائی جاتی ہے۔ مثلاً اگر ورم ریہ صفراوی ہے تو یہ علامات بہت شدید ہوتی ہیں اور اگر دموی ہو تو نسبتاً خفیف ہوتی ہیں۔[۶۲]

بچہ کو سینہ میں درد محسوس ہوتا ہے، جو صدر کی گہرائی سے شروع ہو کر عظم القص اور پھر عظم الصلب کے گوشہ تک محسوس ہوتا ہے۔[۶۳] ابن سینا کے مطابق یہ درد سینہ سے پشت تک محسوس ہوتا ہے اور کبھی کبھی اس کا احساس بین الکتفین بھی ہوتا ہے۔[۶۴] شانہ کے نیچے، پستان میں اور عظم الترقوہ کے نزدیک بھی درد محسوس ہوتا ہے۔ یہ درد کبھی مسلسل رہتا ہے اور کبھی صرف کھانسی کے ساتھ محسوس ہوتا ہے،[۶۵] جو غالباً شدتِ مرض پر منحصر ہے۔ کبھی ان ہی مقامات پر درد کے ساتھ ساتھ مریض کو ضربان بھی محسوس ہوتی ہیں۔[۶۶] جو درد کے مانند ہی کبھی کھانسی کے ساتھ بڑھ جاتی ہیں اور کبھی مسلسل رہتی ہیں۔[۶۷] یہ ضربان خصوصاً زیر شانہ، عظم الترقوہ اور پستان میں محسوس ہوتی ہیں۔[۶۸]

معائنہ کرنے پر مریض کی زبان ابتداءِ مرض میں سرخ اور بعد میں سیاہ نظر آتی ہے۔[۶۹] زبان پر غلیظ ولزج رطوبات ہوتی ہیں۔[۷۰] اسی وجہ سے زبان پر ہاتھ لگانے سے چپچپاہٹ محسوس ہوتی ہے اور اس پر غلظت اور گندگی بھی زکر یا ہوتی ہے۔[۷۱]

نبض کے تعلق سے رازی کا مشاہدہ ہے کہ ذات الریہ میں نبض موجی اور متواتر ہوتی ہے۔[۷۲] ابن زہر کے مطابق نبض سریع و متواتر ہوتی ہے اور اس میں قرع کی قوت یا صلابت کی کوئی شرط نہیں ہے۔ اس کی وجہ ابن زہر یہ بیان کرتے ہیں کہ جرمِ ریہ کے ورم کا اثر نبض کی صلابت و کیفیت پر نہیں ہوتا۔ لیکن اگر نبض نرم ہو تو یہ ورم کی موجودگی کی نشاندہی کرتی ہے اور اگر ریہ کے لحمی جوہر میں ورم ہو تو نبض قدرے صلابت کی جانب مائل ہوتی ہے۔[۷۳] اس کے برعکس جالینوس کا بیان ہے کہ اس مرض میں نبض صغیر ہوتی ہے۔[۷۴] جب کہ ایک دوسرے مقام پر جالینوس نے کہا ہے کہ ذات الریہ میں نبض موجی اور لین ہوتی ہے۔[۷۵] ممکن ہے جس حالات میں جالینوس نے نبض صغیر کا مشاہدہ کیا وہ مریض کے ضعف اور سقوطِ قوت کی وجہ سے رہی ہو۔

ابن سینا کا خیال ہے کہ یہ مرض چونکہ ایک نرم عضو میں ہوتا ہے اور مادہ بھی زیادہ تر بلغمی ہوتا ہے، اس لیے اس مرض میں نبض موجی اور لین ہی ہوتی ہے، لیکن کبھی کبھی انبساط میں فرق ہوتا ہے۔ بعض اوقات نبض منقطع اور کبھی نبض ذوقرعین بھی ہوجاتی ہے، کیونکہ انبساط لمبا ہوتا ہے۔ کبھی نبض واقع فی الوسط ہوتی ہے، لیکن اکثر و بیشتر نبض عظیم رہتی ہے، اس لیے کہ حاجت زیادہ ہوتی ہے۔[۷۶] لیکن اگر ضعف پیدا ہوجائے تو نبض عظیم نہیں رہتی۔[۷۷] اس کے علاوہ جب عظم نبض زیادہ ہوتا ہے تو تواتر نبض کم ہوجاتا ہے اور عظم میں کمی واقع ہوجائے تو تواتر بڑھ جاتا ہے۔[۷۸] نبض کی تبدیلی کو عصر حاضر میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب کبھی ضعف کی وجہ سے نبض صغیر ہوجاتی ہے تو ترویج کو قائم رکھنے کے لیے قلب جلدی جلدی دھڑکنا شروع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے نبض کی رفتار بڑھ جاتی ہے اور اگر نبض عظیم ہوتی ہے تو ترویج کا تناسب قائم رکھنے کی غرض سے قلب کی رفتار گھٹ جاتی ہے، جس کی وجہ سے نبض کی رفتار بھی کم ہوجاتی ہے۔[۷۹] یہ شیخ کے تحقیقی ذہن کی ایک روشن دلیل ہے کہ انہوں نے نامکمل معلومات کے باوجود نبض کے عظم اور اس کے تواتر کے درمیان نسبت کو واضح کیا، جو بعد میں تحقیقات کے بعد حرف بہ حرف درست ثابت ہوا۔

سید اسماعیل جرجانی کے مطابق اگر مرض کے دوران نضج شدہ رطوبات تھوڑی تھوڑی مقدار میں سعال کے ساتھ خارج ہوتی رہیں، اعراض میں کمی واقع ہونی شروع ہوجائے اور مریض کی صحت بہتر معلوم ہونے لگے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ مادہ تحلیل ہوکر دفع ہوجائے گا۔[۸۰]

زکریا رازی کے مطابق ذات الریہ میں شفاء کا تمام تر انحصار مادہ کے اخراج پر ہے، کیونکہ مادۂ مرض ریہ میں موجود رہتا ہے اور وہاں سے خارج ہوجائے تو مکمل شفاء حاصل ہوتی ہے۔[۸۱]

اگر علاج نہ ہوسکے اور مرض ترقی کرتا رہے تو بہت سی پیچیدگیاں لاحق ہوسکتی ہیں۔ مثلاً مرض کی شدت میں بردِ اطراف اور سبات بھی لاحق ہوجاتا ہے۔[۸۲] بخار کی شدت کی حالت میں بچے کو غنودگی لاحق ہوتی ہے۔[۸۳] جالینوس کے مطابق ذات الریہ میں سیاہ تھوک، نہایت سرخ تھوک، جھاگ دار تھوک، بدبودار تھوک، شدید درد یا سوءِ تنفس کے ساتھ مشکل سے خون کا اخراج ہونا ردی علامات ہیں۔[۸۴] اگر مرض مستحکم ہونے کے بعد بلا کسی سبب کے اسہال لاحق ہوجائے تو یہ ضعفِ جگر کی علامت ہے، حالانکہ ابتداء مرض میں اسہال کا آنا بہتر تصور کیا جاتا ہے، لیکن مرض مستحکم ہونے کے بعد اسہال کا آنا ردی علامت ہے۔[۸۵]

اس مرض میں اطباء کے مطابق کبھی کبھی ریہ میں اجتماع ماء بھی ہوجاتی ہے۔ جس کی وجہ سے تنگئ تنفس میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ کبھی کبھی ورم قصبۃ الریہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ پشت میں جریان اور خفیف درد محسوس ہوتا ہے، بخار خفیف ہوتا ہے اور خارش عارض ہوتی ہے۔ آواز تیز ہوجاتی ہے۔ اگر قصبۃ الریہ میں زخم پیدا ہوجائیں تو منہ سے شدید بدبو آتی ہے اور کھانسی کے ساتھ کم مقدار میں رطوبات خارج ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ کبھی ریہ میں پھنسیاں نکل آتی ہیں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ تنفس میں شدید تنگی ہوتی ہے یا پھر تنفس سریع و متواتر ہوجاتا ہے۔ سینہ میں جلن اور گرانی محسوس ہوتی ہے۔[۸۶] دورِ حاضر میں معلوم ہوا ہے کہ یہ پھنسیاں دراصل عروق خشنہ [Bronchioles] کی دیواروں میں بنتی ہیں، جو ابتداء میں چھوٹی پھنسیوں [Micrococcus] کی شکل میں نظر آتی ہیں۔ اگر اس وقت مناسب علاج نہ ہو تو رفتہ رفتہ شہیق کے دوران داخل ہونے والی ہوا ان میں جمع ہوتی رہتی ہے اور یہ پھول کر بڑی ہوجاتی ہیں، جس کو Pneumatocele کہتے ہیں۔[۸۷]

یہاں واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ قدیم اطباء نے امراض کو نہ صرف علامات و مشاہدات کی مدد سے سمجھا، بلکہ وہ ماہیئت مرضی سے بخوبی واقف تھے۔ ریہ میں پھنسیوں کی موجودگی کا بیان اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اطباء قدیم عملِ جراحی کو تفصیل و مہارت کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نہ صرف خارجی علامات، بلکہ اندرون جسم کے حالات سے بھی بخوبی واقف تھے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ انہوں نے پھنسیوں کی موجودگی کی تشخیصی علامات بھی بیان کیں MRI / Xray اور دیگر تکنیکی سہولیات کے دور میں جہاں عصر حاضر کے اطباء تشخیصِ مرض کے لیے ان کے تقریباً محتاج ہوگئے ہیں، وہیں قدیم اطباء کے یہ مشاہدات و بیانات نہایت متحیر کرنے والے ہیں اور اس بات کا بخوبی ادراک کراتے ہیں کہ طبیب کی لیاقت اور فنی وجدان کسی بھی مشین سے زیادہ اہم ہے۔

ایک صورت حال یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کھانسی کے ساتھ رطوبات نہ خارج ہوں اور اعراض میں شدت ہوتی رہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ قرحۂ ریہ لاحق ہوجائے گا۔[۸۸] ایسی صورت میں اگر مریض قوی ہو، پھیپھڑوں میں درد اور کھنچاؤ محسوس ہو اور بخار ہمہ وقت موجود رہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ قرحہ جلد پیدا ہوکر پھٹ جائے گا جس میں مادۂ مرض دفع ہوجائے گا، لیکن اگر مریض ضعیف ہو، مادہ مرض میں جلدی نضج نہ ہوسکے تو یہ متعفن ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے نتائج مہلک بھی ہوسکتے ہیں۔[۸۹]

اگر کھانسی کے ساتھ رطوبات خارج نہ ہورہی ہوں اور اعراض میں شدت واقع ہورہی ہو۔ ساتھ ہی مریض ذائقہ شیریں معلوم ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ قرحہ بن چکا ہے۔ سید اسماعیل جرجانی کے مطابق اگر اس صورت میں قرحہ چار روز کے اندر پھوٹ جائے تو مرض سے شفاء حاصل ہوتی ہے اور اگر مدت طویل ہو تو پھر مرض بڑھ جاتا ہے۔[۹۰] ابن سینا کے مطابق یہ مدت چالیس دن ہے۔[۹۱] دونوں اطباء کے درمیان قرحہ پھوٹنے کی مدت کا یہ اختلاف حیران کُن ہے، خصوصاً اس لیے کہ دونوں کی بیان کردہ علامات اور عوارض تقریباً ایک جیسے ہیں۔ چنانچہ یہ چار دن و چالیس دن میں فرق ممکن ہے کہ مریض کی طبیعت، ماحول و دیگر امور کی وجہ سے پیدا ہوا ہو۔ اس کے علاوہ اگر قرحہ نہ پھوٹے تو پیروں میں بھی ورم پیدا ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر ریم براہ بول خارج ہوجائے تو بہتری کی امید کی جاسکتی ہے، صورت دیگر نتائج خراب بھی ہوسکتے ہیں۔[۹۲]

جرجانی کے مطابق اگر ذات الریہ ترقی کر جائے تو یہ سل میں منتقل

ہوجاتا ہے۔[۹۳] رازی کا خیال ہے کہ ذات الریہ بذاتِ خود سل کی ابتداء ہے۔[۹۴] سل میں منتقل ہونے کی علامت یہ ہے کہ چہرے اور رنگ میں تازگی نہیں رہتی اور انگلیوں کے سرے مسلسل گرم رہتے ہیں۔[۹۵] اگر تنفس خفیف ہوجائے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ مرض ذات الجنب میں منتقل ہوگیا ہے۔[۹۶] ایسی صورت میں پسلیوں میں خلش بھی محسوس ہوتی ہے۔[۹۷] اطباء قدیم کے یہ مشاہدات و تجربات بلاشبہ لائق تحسین ہیں، کیونکہ آج تمام تحقیقات اور سہولیات کے باوجود جدید اطباء کے لیے یہی پیچیدگیاں دردسر بنی ہوئی ہیں۔ ذات الریہ کی وجہ سے ہونے والی پیچیدگیوں میں قرحۂ ریہ اور غلافِ قلب میں اجتماع ماء خصوصاً اہم ہیں، [۹۸] جن کا علاج دورِ جدید میں بھی ایک چیلنج ہے۔

اطباءِ قدیم نے ڈبہٗ اطفال کے ذیل میں ایک اور دلچسپ علامت بیان کی ہے۔ جو ان کے مطابق شفاءِ مرض کا ذریعہ بھی ہے۔ ابن سینا کا مشاہدہ ہے کہ اگر ذات الریہ میں ثدیین کے قریب خراجات پیدا ہوجائیں یا ثدیین کے قریب یا ان خراجات میں ریم کی وجہ سے نواصیر پیدا ہوجائیں تو مریض کے شفایاب ہونے کی امید کی جاسکتی ہے۔[۹۹] اس کی توجیہ رازی نے یہ بیان کی ہے کہ ان نواصیر وخراجات کے ذریعہ جوف صدر سے ریم کا اخراج ہوجاتا ہے۔[۱۰۰] اس کے علاوہ ابن سینا کا تجربہ ہے کہ ذات الریہ کے دوران اگر صاف میں خراجات پیدا ہوجائیں تو یہ بھی اچھی علامت ہے۔[۱۰۱] سید اسماعیل جرجانی نے اس میں اضافہ کیا ہے کہ اس مرض میں پنڈلی میں پھوڑے نکل آنا بھی شفایابی کی علامت ہے۔[۱۰۲] احمد بن محمد طبری کے مطابق ذات الریہ میں نکسیر کا جاری ہونا بھی صحت یابی کی علامت ہے۔[۱۰۳]

جدید کتب میں بھی ذات الریہ میں، خصوصاً جب مرض ترقی کر جائے تو اس قسم کے خراجات کا بیان ملتا ہے۔ جدید اطباء کا ماننا ہے کہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ جراثیم ریہ کے علاوہ جسم کے بقیہ مقامات پر بھی موجود ہیں۔[۱۰۴] لیکن انذارِ مرض میں ان کا کوئی کردار ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق خیال آرائی نہیں کی گئی ہے۔ اس کے باوجود اگر طب یونانی کے نظریہ امالہ پر غور کریں تو ان خراجات کا بیان حرف بہ حرف درست معلوم ہوتا ہے، حالانکہ فی الوقت اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

علاج:

اولاً حکیم اجمل خاں کے اس نسخے کا ذکر، جو انہوں نے اپنی ایک مریضہ کو تجویز کیا تھا۔ حکیم صاحب نے مریضہ کو دوران حمل ہفتہ میں ایک مرتبہ خرگوش کا گوشت کھانے کی ہدایت دی اور وضعِ حمل کے بعد بھی اس کو جاری رکھنے کے لیے کیا اور قطرۂ خونِ خرگوش شیرِ مادر میں حل کر کے بچہ کو ہفتہ میں ایک مرتبہ پلانے کے لیے ہدایت کی۔ چنانچہ یہ بچہ ڈبہٗ اطفال سے محفوظ رہا اور حاذق نامی کتاب کی تسوید کے وقت نوجوان تھا۔[۱۰۵]

حکیم اجمل خاں کی ہدایت ہے کہ ڈبہ اطفال کے مریض کو ہوا سے محفوظ، گرم مقام پر نرم بستر پر لٹائیں۔[۱۰۶] معقول تنہائی وسکون کا خیال رکھیں اور بچہ کو نرم وآرام دہ ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنائیں۔ تلینِ طبع کی کوشش کریں۔ بعض اوقات حسب ضرورت بلا نضج تلین کرنا بھی جائز ہے۔[۱۰۷]

ذات الریہ میں درج ذیل نسخہ بھی مفید ہے۔ گل بنفشہ ۱ گرام/، عناب ۱/دانہ، سپستاں ۳/دانہ، گاؤزباں ۲ گرام، کو پانی میں جوش دے کر صاف کر کے خمیرہ بنفشہ ۲ گرام، ملا کر پلائیں۔ اگر شدتِ عطش ہو تو اس نسخہ میں شیرہ تخم کا ہوا گرام کا اضافہ کردیں اور قیروطی آرد کرسنہ نیم گرم کر کے سینہ پر ملیں۔

اس کے علاوہ رائی ۲ گرام، تخم کتاں ۲۰ گرام، نیم کوفتہ کر کے ایک صاف پوٹلی میں باندھ کر نیم گرم کر کے اس سے ٹکور کریں۔ پیاس کے لیے عرق گاؤزباں نیم گرم کر کے تھوڑا تھوڑا پلانا بھی مفید ہے۔[۱۰۸]

بعض اطباء کے مطابق اس مرض میں حب السلاطین تریاق کی حیثیت رکھتا ہے۔ درج ذیل حبوب بھی ڈبہٗ اطفال میں مفید ہیں۔

نسخۂ حب:

حب السلاطین مدبر، گوکھرو، تربد سفید، ہر ایک ۵ گرام، مغز تخم بیدانجیر ——— تمام ادویہ کو باریک پیس کر بقدر مونگ گولیاں بنائیں۔

مقدار خوراک: ایک سے ۲ ماہ کے بچے کے لیے ایک گولی، نصف سے سوا سال کے بچے کے لیے دو گولیاں اور دو سال کے بچے کے لیے تین گولیاں شیر مادر یا عرق بادیان میں حل کر کے دیں۔ اگر اس مقدار سے

مناسب تلیین نہ ہو تو ایک گولی کا اضافہ کر سکتے ہیں۔[۱۰۹]

تلیین کے لیے درج ذیل نسخہ بھی مفید ہے۔

نسخہ:

گل بنفشہ، بادیان، گاؤ زباں، مویز منقی، اصل السوس مقشر، ہلیلہ سیاہ، برگ سناء مکی، ہر ایک ایک گرام لے کر تمام ادویہ کو پانی میں جوش دیں۔ پھر چھان کر شیر خشت، ترنجبین اور مغز فلوس حل کر کے استعمال کرائیں۔[۱۱۰]

رازی نے لکھا ہے کہ اس مرض میں عورت کی چھاتی سے دودھ پینا بھی مفید ہے۔[۱۱۱] چنانچہ ڈبہ اطفال میں رضاعت کو جاری رکھیں۔

ذات الریہ بلغمی میں پہلے بلغم کو منضج و مسہل کے ذریعہ خارج کریں۔ اس کے لیے اصل السوس مقشر نیمکوفتہ، گاؤ زباں، مویز منقی، برسیاوشاں، انجیر زرد، گل بنفشہ، خبازی، عنب الثعلب، ہر ایک مناسب مقدار میں لے کر جوش دے کر صاف کریں اور قدرے قند سفید داخل کر کے پلائیں۔ اگر بچہ قوی ہو تو دوسرے روز زوفا اور بیخ سوسن کا اضافہ کر دیں۔[۱۱۲] مسہل کے روز اس میں سناء مکی اور مغز فلوس خیار شنبر کا اضافہ کر دیں۔[۱۱۳] اگر ضرورت محسوس ہو تو سہ پہر کو سبوس گندم، گل گاؤ زباں، بیخ سوسن، سب کو عرق گاؤ زباں میں جوش دے کر صاف کریں اور شربت بنفشہ کا اضافہ کر کے پلائیں۔[۱۱۴]

ڈبۂ اطفال بلغمی میں درج ذیل نسخہ بھی مفید ہے، جو ریہ کی رطوبات کو خارج کراتا ہے۔

نسخۂ جوشاندہ:

بادیان، اصل السوس مقشر، عنب الثعلب، زوفا خشک، وج ترکی، گلِ سرخ، ہر ایک ۵۰۰ ملی گرام، مویز منقی ۲ دانہ، صبر زرد ۲۸۰ ملی گرام، مغز فلوس خیار شنبر ۸ گرام، شیر خشت ۶ گرام، شیر خشت کے علاوہ بقیہ ادویہ کو پانی میں جوش دے کر صاف کریں۔ پھر شیر خشت ملا کر پلائیں۔ یہ مقدار خوراک تین سال کے بچہ کے لیے ہے۔ ۲ سال کے بچے کو اس کی نصف خوراک اور ایک سال کے بچے کو تہائی خوراک دیں۔[۱۱۵]

سینہ پر منشف ادویہ کا ملنا بھی اس مرض میں مفید ہے۔ اس کے علاوہ درج ذیل حبوب بھی ڈبۂ اطفال میں مفید و مجرب ہیں۔

نسخۂ حب:

توتیائے سبز بریاں، سہاگہ نیم بریاں، کو مساوی الوزن لے کر پانی یا شیر بز میں حل کر کے باجرہ کے برابر گولیاں بنائیں۔ اس میں سے حسبِ ضرورت ایک گولی یا کم و بیش شیر مادر یا پانی میں حل کر کے دینا مفید ہے۔[۱۱۶]

صبر کو آبِ پیاز میں حل کر کے پہلو پر ضماد کرنا بھی اس مرض میں مفید ہے۔ اگر سینہ میں بلغم بکثرت جمع ہو تو تین روز تک مین پھل ۵۱۲ ملی گرام، پانی میں نہایت باریک پیس کر نیم گرم پلائیں۔ اس تدبیر سے قے کے ذریعہ بلغم خارج ہو جاتا ہے اور مرض رفع ہوتا ہے۔[۱۱۷]

اگر ڈبۂ اطفال حار مادہ کی وجہ سے لاحق ہوا ہو تو تلیین طبع کرنا سب سے بہتر ہے اور نضج کا انتظار کیے بغیر تلیین کرنے کی ہدایت ہے۔ چنانچہ تلیین کے لیے عناب، عنب الثعلب، گل بنفشہ، خطمی اور خبازی کا جوشاندہ مغز خیار شنبر، شیر خشت اور روغن بادام داخل کر کے پلائیں۔ شیر خوار بچہ ہو تو مرضعہ یا بچہ کو غذا میں ماش مقشر اور برنج وغیرہ دیں۔ مرضعہ کے دودھ کی اصلاح کے لیے ایسی ادویہ دیں، جو جوشِ خون کو کم کرنے والی اور صفراء کی حدت کو توڑنے والی ہوں۔

اگر بچہ کو نزلہ بھی ہو تو سر پر گرم پانی سے نطول کریں۔ بخار کی شدت کے وقت بچہ کے تالو پر دودھ ڈالیں اور ناک کان میں بھی ٹپکائیں۔ مبردات استعمال کرائیں، مثلاً شیرہ تخم خرفہ، شیرہ تخم خربوز، شیرہ خیارین، شیرہ کدہ، خربزہ وغیرہ۔[۱۱۸] رازی کے مطابق بچہ کی رضاعت جاری رکھنا مفید ہے۔[۱۱۹] لیکن افراط سے پرہیز کریں۔[۱۲۰]

ڈبۂ اطفال میں سعال کے لیے درج ذیل حبوب بہت مفید ہیں۔

نسخۂ حب:

گاؤ زباں، تخم خطمی، تخم خبازی، پرسیاؤشاں، اصل السوس مقشر کوفتہ، ہر ایک ۵۰۰ ملی گرام، سناء مکی ۳ گرام، گل بنفشہ ۵ گرام، عناب ۳ دانہ، سپستاں ۳ دانہ، انجیر زرد ا عدد، عرق عنب الثعلب، عرق گاؤ زباں، ہر ایک ۴۸ ملی لیٹر، خسیاندہ بنا کر خفیف جوش دیں اور مل چھان کر فلوس خیار شنبر ۲۵ گرام، اور شیر خشت ۱۸ گرام میں مل کر صاف کر کے روغن بادام کا اضافہ کر کے پلائیں۔[۱۲۱]

اگر حمی محرقہ، خشکی دہن، بے ہوشی اور بے قراری زیادہ ہوتو آب برگ خرفہ سبز میں کپڑا تر کر کے کئی مرتبہ تالو پر رکھیں اور قرص کافور ۵۱۲ ملی گرام پانی میں حل کر کے دیں۔ حرارت کم ہونے کے بعد تنگی تنفس رفع کرنے کے لیے سردی کے وقت حب مشک یا حب توتیا استعمال کرائیں۔[۱۲۲]

درج ذیل حبوب بھی مادہ کو خارج کرنے میں مفید ہیں۔

نسخۂ حب:

توتیائے سبز بریاں ۱ گرام، مغزریٹھہ ۳ گرام، مغز جمالگوٹہ ۱ عدد، سب کو آب ادرک میں کھرل کر کے ماش کے برابر گولیاں بنائیں اور ان میں سے ایک گولی ایک روز کا وقفہ دے کر استعمال کرائیں۔ یہ مادہ کو قے اور اسہال کے ذریعہ خارج کرنے میں مفید ہیں۔[۱۲۳]

ڈبۂ اطفال میں اطباء ہند درج ذیل نسخہ استعمال کرتے ہیں۔

نسخۂ طلاء:

ایلوا ۱۲۸ ملی گرام شیر مادر میں حل کر کے پلائیں اور سینہ پر اس کا طلاء کر کے اوپر سے برگ پان باندھ دیں۔[۱۲۴]

اس کے علاوہ خراطین، قرنفل، تخم پلاس، سب کو مساوی الوزن لے کر کوٹ چھان کر ۱۲۸ ملی گرام کے بقدر گولی بنائیں اور ایک گولی پانی میں حل کر کے پلائیں۔[۱۲۵]

لہسن کا جوا چراغ کی لو پر جلا کر ۲-۳ ماہ کے بچے کو چوتھائی حصہ اور ایک سال کے بچے کو پورا جوا، دودھ میں حل کر کے دینا بہت مفید ہے۔[۱۲۶]

ذات الریہ دموی اور صفراوی میں درج ذیل نسخہ بھی مفید ہے۔

نسخۂ جوشاندہ:

گل بنفشہ، تخم خطمی، تخم خبازی، مکوء خشک، بادیان، ہر ایک ۱ گرام، عناب ۲ دانہ، سپستاں ۳ دانہ، کو پانی میں جوش دے کر روغن بیدانجیر ملا کر نوش کرائیں۔[۱۲۷]

مومیائی شیر مادر میں حل کر کے یا قدرے شہد میں ملا کر بچے کو چٹانا بھی مفید ہے۔ اگر اسہال لاحق ہوں تو دوائے سیاہ ۱۲۸ ملی گرام کی مقدار خوراک میں دینا بھی مفید ہے۔[۱۲۸]

درج ذیل ضماد بھی ڈبۂ اطفال میں مستعمل ہے۔

نسخۂ ضماد:

صبر سقوطری، صمغ عربی، ہر ایک ۳ گرام، برگ مورد ۶ گرام، نمک طعام ۱ گرام، کو آب گھیگوار میں ملا کر ضماد کرنا بھی مفید ہے۔[۱۲۹]

حاصل کلام:

مندرجہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ اطباء قدیم، ڈبۂ اطفال کے اسباب، علامات، ماہیئت مرضی اور انذار سے بخوبی واقف تھے اور اس مرض کا کامیاب علاج بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ عصر حاضر میں یہ مرض متعدی قرار دیا جاتا ہے اور اطباءِ قدیم نے اس کو نظریۂ اخلاط کے اعتبار سے بیان کیا ہے۔ جس کی وجہ اوّل تو یہ ہے کہ نظریۂ اخلاط طب یونانی کا بنیادی نظریہ ہے، جس کے لیے معقول دلائل بھی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اگر غور کیا جائے تو یہ ادراک ہوتا ہے کہ ہر تعدیہ آخر کار کسی نہ کسی خلط کو متاثر کرتا ہے، جس کی وجہ سے مرض کی علامات پیدا ہوتی ہیں، چنانچہ فرق صرف اطباء کے بنیادی نظریات کا ہے۔ یہاں ایک اور بات واضح ہے کہ فی الوقت تمام تر تکنیکی سہولیات اور مؤثر ادویہ فراہمی کے باوجود ہم بچوں کو اس مرض سے محفوظ رکھنے میں قاصر ہیں، خصوصاً ترقی پذیر ممالک میں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جدید طریق علاج کسی وجہ سے اپنے مقاصد کو پورا نہیں کر پا رہا ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہ سہولیات ترقی پذیر ممالک کی غریب عوام کی دسترس سے باہر ہیں۔ چنانچہ علم طب کے بنیادی مقصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ عوام کو وہ سہولیات مہیا کرائی جائیں، جو اس کے لیے قابل استعمال ہوں اور مؤثر ہونے کے علاوہ کم قیمت بھی ہوں۔ اس ضمن میں طب یونانی ایک اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔

کتابیات

1. IAP Textbook of Pedantries. Vol.2, p.1122
2. Text book of Pedantries. p.348

۳- حادق: ص ۵۱۴
۴- ذخیرہ خوارزم شاہی: ج ۶، ح ۲، ص ۲۷۹
۵- الاکسیر: ج ۱، ص ۵۰۴

۶- ذخیرہ خوارزم شاہی: ج۶، ح۲، ص۲۷۹

7. IAP Text book of Pedantries. Vol 1, p.578

۸- ذخیرہ خوارم شاہی: ج۶، ح۲، ص۲۷۹

۹- کتاب التیسیر: ص۹۸

۱۰- ذخیرہ خوارزم شاہی: ج۶، ح۲، ص۲۷۹

۱۱- ایضاً: ج۶، ح۲، ص۲۸۰

۱۲- القانون فی الطب: ج۳، ح۲، ص۲۶۷

۱۳- کامل الصناعۃ: ج۱، ص۴۹۱-۴۹۲

۱۴- ایضاً: ج۱، ص۴۹۲

۱۵- ذخیرہ خوارزم شاہی: ج۶، ح۲، ص۲۸۰

۱۶- کتاب التیسیر: ص۹۹

17. Text book of Pedantries. p 348

۱۸- القانون فی الطب: ج۳، ح۲، ص۲۶۷

۱۹- ذخیرہ خوارزم شاہی: ج۶، ح۲، ص۲۷۹

۲۰- الحاوی فی الطب: ح۱۱، ص۷۸

۲۱- القانون فی الطب: ج۳، ح۲، ص۲۶۷

۲۲- ایضاً: ج۳، ح۲، ص۲۶۷-۲۶۸

۲۳- ایضاً: ج۳، ح۲، ص۲۶۷

24. IAPText book of Pedantries. Vol.I, p. 519

۲۵- ایضاً: ح۱۱، ص۳۶۳

۲۶- الحاوی فی الطب: ص۷۵

۲۷- کتاب المنصوری: ص۳۵۳

۲۸- کتاب الحاوی: ح۱۱، ص۸۴

۲۹- ایضاً: ح۱۱، ص۷۸

۳۰- کتاب التیسیر: ص۹۸

۳۱- الاکسیر: ص۵۰۴

32. Text book of Pedantries. Vol.I, p .579

۳۳- کتاب المنصوری: ص۳۵۳

۳۴- کامل الصناعۃ: ج۱، ص۴۹۲

۳۵- ذخیرہ خوارزم شاہی: ج۶، ح۲، ص۲۸۰

۳۶- ایضاً: ج۶، ح۲، ص۲۸۰-۲۸۱

۳۷- کامل الصناعۃ: ج۱، ص۴۹۲

۳۸- کتاب التیسیر: ص۹۸

۳۹- کتاب المنصوری: ص۳۵۳

۴۰- المعالجات البقراطیہ: ح۲، ص۴۴۱

۴۱- امراض الاطفال: ص۲۸۳

۴۲- ذخیرہ خوارزم شاہی: ج۶، ح۲، ص۲۸۱

۴۳- کتاب المنصوری: ص۳۵۳

۴۴- ذخیرہ خوارزم شاہی: ج۶، ح۲، ص۲۸۱

۴۵- کامل الصناعۃ: ج۱، ص۴۹۲

۴۶- القانون فی الطب: ج۳، ح۱، ص۲۶۸

۴۷- کتاب الحاوی: ح۱۱، ص۸۵

۴۸- ایضاً: ح۱۱، ص۷۸

۴۹- ایضاً: ح۱۱، ص۸۵

۵۰- ذخیرہ خوارزم شاہی: ج۶، ح۲، ص۲۸۱

۵۱- القانون فی الطب: ج۳، ح۱، ص۲۶۸

۵۲- کامل الصناعۃ: ج۱، ص۴۹۲

۵۳- کتاب الحاوی: ح۱۱، ص۸۵

۵۴- کامل الصناعۃ: ج۱، ص۴۹۲

۵۵- کتاب الحاوی: ح۱۱، ص۷۸-۷۹

۵۶- کتاب المنصوری: ص۳۵۳

۵۷- القانون فی الطب: ج۳، ح۱، ص۲۶۸

۵۸- کامل الصناعۃ: ج۱، ص۴۹۲

۵۹- کتاب الحاوی: ح۱۱، ص۷۸

۶۰- کامل الصناعۃ: ج۱، ص۴۹۲

۶۱- کتاب الحاوی: ح۱۱، ص۷۸

۶۲- کامل الصناعۃ: ج۱، ص۴۹۲

۶۳- کتاب الحاوی: ح۱۱، ص۷۵

۶۴- القانون فی الطب: ج۳، ح۱،ص۲۶۸
۶۵- ذخیرہ خوارزم شاہی: ج۶، ح۲،ص۲۸۱
۶۶- القانون فی الطب: ج۳، ح۱،ص۲۶۸
۶۷- ذخیرہ خوارزم شاہی: ج۶، ح۲،ص۲۸۱
۶۸- القانون فی الطب: ج۳، ح۱،ص۲۶۸
۶۹- ایضاً: ج۳، ح۱،ص۲۶۸
۷۰- ذخیرہ خوارزم شاہی: ج۶، ح۲،ص۲۸۱
۷۱- القانون فی الطب: ج۳، ح۱،ص۲۶۸
۷۲- کتاب الحاوی: ح۱۱،ص۷۸
۷۳- کتاب التیسیر :ص۹۸
۷۴- کتاب الحاوی: ح۱۱،ص۷۸
۷۵- ایضاً: ح۱۱،ص۱۱۴
۷۶- القانون فی الطب: ج۳، ح۱،ص۲۶۸
۷۷- ایضاً: ج۳، ح۱،ص۲۶۸-۲۶۹
۷۸- ایضاً: ج۳، ح۱،ص۲۶۹

79. Advanced Cardio Vascular exercise Physiology. p. 54

۸۰- ذخیرہ خوارزم شاہی: ج۶، ح۲،ص۲۸۲
۸۱- کتاب الحاوی: ح۱۱،ص۱۷۳
۸۲- القانون فی الطب: ج۳، ح۱،ص۲۶۸
۸۳- ذخیرہ خوارزم شاہی: ج۶، ح۲،ص۲۸۱
۸۴- کتاب الحاوی: ح۱۱،ص۱۳۵
۸۵- ایضاً: ح۱۱،ص۱۳۴
۸۶- ذخیرہ خوارزم شاہی: ج۶، ح۲،ص۲۸۲

87. IAP Textbook of Pedantries. p 349

۸۸- کتاب الحاوی: ح۱۱،ص۷۶
۸۹- ذخیرہ خوارزم شاہی: ج۶، ح۲،ص۲۸۲
۹۰- ایضاً: ج۶، ح۲،ص۲۸۳
۹۱- القانون فی الطب: ج۳، ح۱،ص۲۶۹
۹۲- ذخیرہ خوارزم شاہی: ج۶، ح۲،ص۲۸۲
۹۳- ایضاً: ج۶، ح۲،ص۲۸۲
۹۴- کتاب الحاوی: ح۱۱،ص۹۹
۹۵- ذخیرہ خوارزم شاہی: ج۶، ح۲،ص۲۸۲
۹۶- کتاب الحاوی: ح۱۱،ص۹۷
۹۷- ذخیرہ خوارزم شاہی: ج۶، ح۲،ص۲۸۲

98. IAP Textbook of Pedantries. V. I, p 582

۹۹- القانون فی الطب: ج۳، ح۱،ص۲۶۹
۱۰۰- کتاب الحاوی: ح۱۱،ص۲۶۹
۱۰۱- القانون فی الطب: ج۳، ح۱،ص۲۶۹
۱۰۲- ذخیرہ خوارزم شاہی: ج۶، ح۲،ص۲۸۲
۱۰۳- المعالجات البقراطیہ: ح۲،ص۴۴۱

104. IAP Textbook of Pedantries. p 345

۱۰۵- حاذق: ص۵۱۵
۱۰۶- ایضاً: ص۵۱۴
۱۰۷- الاکسیر: ج۱،ص۵۰۴
۱۰۸- حاذق: ص۵۱۴
۱۰۹- امراض الاطفال: ص۲۸۶-۲۸۷
۱۱۰- ایضاً: ص۲۸۷
۱۱۱- کتاب الحاوی: ح۱۱،ص۹۹
۱۱۲- الاکسیر: ج۱،ص۵۰۴
۱۱۳- ایضاً: ج۱،ص۵۰۴-۵۰۵
۱۱۴- ایضاً: ج۱،ص۵۰۵
۱۱۵- امراض الاطفال: ص۲۸۷
۱۱۶- الاکسیر: ج۱،ص۵۰۵
۱۱۷- الاکسیر: ج۱،ص۵۰۵
۱۱۸- ایضاً: ج۱،ص۵۰۵
۱۱۹- کتاب الحاوی: ح۱۱،ص۹۹
۱۲۰- امراض الاطفال: ص۲۸۶

۱۲۱- ایضاً: ص ۲۸۸

۱۲۲- الاکسیر: ج ا، ص ۵۰۵

۱۲۳- ایضاً: ج ا، ص ۵۰۶

۱۲۴- ایضاً: ج ا، ص ۵۰۵

۱۲۵- ایضاً: ج ا، ص ۵۰۵-۵۰۶

۱۲۶- ایضاً: ج ا، ص ۵۰۶

۱۲۷- امراض اطفال: ص ۲۰۰

۱۲۸- الاکسیر: ج ا، ص ۵۰۶

۱۲۹- امراض اطفال: ص ۲۰۰

مصادر و مراجع

۱- ابن سینا، القانون فی الطب [جلد سوم، حصہ اول] اردو ترجمہ، مترجم: غلام حسنین کنتوری، ۱۹۹۲ء، بک پرنٹرز، لاہور۔

۲- اعظمی، خورشید احمد شفقت، امراض الاطفال، دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۸ء، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

۳- اعظمی، وسیم احمد، امراض اطفال، ۱۹۸۹ء نظامی پریس لکھنؤ

۴- جرجانی، سید اسماعیل، ذخیرہ خوارزم شاہی [جلد ششم، حصہ دوم]، اردو ترجمہ۔ مترجم: ہادی حسین خاں، جنوری ۱۹۰۳ء، منشی نول کشور لکھنؤ

۵- خاں، اجمل، حاذق، جنوری ۱۹۸۳ء اشاعت اول، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی۔

۶- خاں، اعظم، الاکسیر [جلد اول]، اردو ترجمہ، مترجم: حکیم محمد صدیق، ۱۹۴۰ء، دفتر المسیح، نئی دہلی

۷- رازی، زکریا، کتاب الحاوی [حصہ چہارم]، اردو ترجمہ ۱۹۹۸ء، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی

۸- رازی، زکریا، کتاب المنصوری [اردو ترجمہ]، بار اول، فروری ۱۹۹۱ء سی سی آر یو ایم، نئی دہلی۔

۹- زہر، ابن، کتاب التیسیر فی المداواۃ والتدبیر [اردو ترجمہ]، پہلا ایڈیشن، ۱۹۸۶ء، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی

۱۰- طبری، احمد بن محمد، المعالجات البقراطیہ، [حصہ دوم، آٹھواں مقالہ]، اردو ترجمہ، ۱۹۹۲ سی سی آر یو ایم، نئی دہلی

۱۱- مجوسی، علی ابن عباس، کامل الصناعۃ [جلد اول]، اردو ترجمہ، مترجم: غلام حسنین کنتوری، جون ۱۸۸۹ء، منشی نول کشور لکھنؤ

12. Ghai, OP, Gupta P, Poul V.K, Essewteil Pediatrics. 6th ed. 2004, New Delhi

13. Parthevjarathy A. IAP Textbook Of Pedantries . 4th ed. 2009. New Delhi : Dr. Ghoi . VOL-1

14. Parthevjarathy A. IAP Textbook Of Pedantries . 4th ed. 2008 . New Delhi : Dr. Ghoi . VOL-2

15. Smith DI, Feruhall B. Advanced Cardiovascular Exercise Physiology. 2011. US : Theman Kinetics.

●●●

غذائی تدابیر باعتبار مزاج

☆حکیم نسیم احمد

☆☆حکیم ملک محمد وامق امین

☆☆☆حکیم خالدزماں خاں

ہر شخص کی اپنی ایک ذاتی خصوصیت ہوتی ہے اور اسی خصوصیت کے باعتبار سے وہ اپنا علیحدہ مزاج رکھتا ہے۔ یہ خصوصیات اس قدر ہیں کہ ان کو کسی دائرہ میں محدود نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یونانی اطباء نے مزاج انسانی کو چار درجات میں تقسیم کیا ہے۔ لہٰذا غذا کے استعمال کے وقت ان تمام باتوں کی رعایت کرنی چاہئے اور تجربہ وقیاس کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔

حکیم خواجہ رضوان احمد لکھتے ہیں:

''سوداوی مزاج کا آدمی غذائے مرطب کا محتاج زیادہ ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کی غذائیں زیادہ گرم نہیں ہونی چاہئے۔ صفراوی مزاج اشخاص کی غذا سرد و تر ہونی چاہئے۔ جس شخص کے بدن میں خون گرم پیدا ہوتا ہو اس کو ایسی غذائیں چاہئے جس میں تھوڑی سی سردی ہو اور غذائیت اس میں کم ہو۔ جس شخص کے بدن میں خون بلغمی پیدا ہوتا ہو اس کو ایسی غذاء چاہئے جس میں گرمی اور تلطیف ہو اور غذائیت کم ہو''[۱]

ابوبکر محمد بن زکریا رازی لکھتے ہیں:

''جس کا خون سوداوی ہو تو اس کو ایسی غذا لینی چاہئے جن کا مزاج مرطوب ہو اور جس کا خون صفراوی ہو تو اس کو ٹھنڈی مرطوب غذا کی حاجت ہے۔ رہے وہ جن کا خون بلغمی ہو تو وہ گرم سوکھے کھانے کا محتاج ہے اور جس کے خون میں جید خون کا اجتماع ہوتا ہے لیکن وہ کثیر الکمیّت ہوتا ہے تو وہ اچھے اور قلیل الکمیت غذا کا محتاج ہے۔''[۲]

حکیم سیّد غلام حسنین کنتوری کامل الصناعۃ کے اردو ترجمہ میں گرم مزاج والوں کی غذائی تدابیر کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

سرد غذاؤں سے ان کو غذا دی جائے جیسے کشک جو اور تازہ مچھلیاں اور بھیڑ کا گوشت اور مرغی کا گوشت اور چوزہ کا گوشت آب انگور خام ہیں اور آب انار اور بیخ کا ہو اور کدو کے ہمراہ پکایا ہوا اور اسی طرح اور سرد چیزیں اور فواکہہ میں سے وہ انگور جس کی شیرینی غالب نہ ہو اور شفتالو اور آلو بخارا اور مشمش اور سیب اور امرود خوب پکا ہوا اور عناب وغیرہ اور ان فواکہہ میں سے کھلایا جائے جو تبرید اور ترطیب کرتے ہیں۔''

اسی طرح سرد مزاج والوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

گوسپند اور بکری جوان کا جو مصالح گرم ڈال کر پکائے گئے ہوں،

☆ پی جی اسکالر، شعبۂ کلیات، اجمل خاں طبیہ کالج، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

☆☆ پروفیسر وصدر، شعبۂ کلیات، اجمل خاں طبیہ کالج، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

☆☆☆ پروفیسر، شعبۂ کلیات، اجمل خاں طبیہ کالج، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

تناول کریں جیسے زیرہ اور کراویا اور دارچینی اور سویا اور فلفل اور لہسن اور پیاز۔''

اور مرطوب مزاج والوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

غذا میں کمی کردیں فاقہ زیادہ کریں اور وحشی جانوروں کے گوشت اور پہاڑی چڑیوں کا گوشت تناول کریں جیسے ہرن اور کبک اور تیہو اور نمکین مزہ کے گوشت اور جو کی مری اور سرکہ اور کردیا سے تیار کی گئی ہو اور جو چیز کہ اس میں مسور اور کرنب کو پکایا ہو۔''

مزید لکھتے ہیں:

اور جس شخص کا مزاج یابس ہو اس کو گوشت میں سے برہ کا گوشت جو چرنے لگا ہو اور اس کے پاچہ کو کدو میں لگا کر خواہ بتھوا اور چولائی اور پالک کے ہمراہ پکا کر تناول کریں۔ تازہ مچھلی اور سرطان نہری اور بادام تازہ اور خشخاش تازہ اور انجیر اور انگور تازہ اور شفتالو اور خربوزہ اور ککڑی کھیرا اور تازہ باقلا تناول کریں۔''[۳]

ابن ہبل بغدادی بلحاظ مزاج کے اعتبار سے غذائی تدابیر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''دموی مزاج شخص اگر بکثرت گوشت کا استعمال کرتا اور آرام و راحت کے ساتھ رہتا ہو تو اس کے لیے برداشت کی حد تک برابر فصد کھلوانا ضروری ہے۔ صفراوی مزاج شخص کو مرطب غذائیں استعمال کرنی چاہیے، جس سے اسے تبرید پہنچے گی اور صفرا کو حوامض کے ذریعہ ختم کیا جائے اور حرکت اور حمام سے پہلے اگر تھوڑا کھالے تو کوئی حرج نہیں۔ سوداوی مزاج شخص کو ایسی غذاؤں کی ضرورت ہوتی ہے جو رطوبت زیادہ اور حرارت کم پیدا کریں۔ بلغمی مزاج شخص کے لیے لطیف حرارت پیدا کرنے والی ملطف غذاؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔''[۴]

مزاجی اعتبار سے غذا کے سلسلے میں حکیم محمد کبیر الدین لکھتے ہیں:

''سوداوی لوگوں کی غذائیں ایسی ہونی چاہئے جو رطوبت تو زیادہ پیدا کریں مگر حرارت کم پیدا کریں، جن لوگوں کے بدن میں [زیادہ] گرم خون پیدا ہوتا ہو انھیں ایسی غذا دینی چاہئے جو بارد اور قلیل التغذیہ ہو اور جن کے بدن میں بلغمی خون پیدا ہوتا ہو انہیں ایسی غذائیں دینی چاہئے جو قلیل التغذیہ ہونے کے باوجود گرم اور ملطف ہو [تاکہ بلغمی خون کی برودت اور غلظت حرارت و رقت سے تبدیل ہوجائے۔]''[۵]

حکیم خواجہ رضوان احمد لکھتے ہیں:

''سوداوی مزاج کی غذائیں اس قسم کی ہوں کہ رطوبت زیادہ پیدا کریں اور حرارت بہت کم۔ صفراوی مزاج رکھنے والے اشخاص کی غذائیں سردی و تری پیدا کرنے والی ہوں۔ گرم خون رکھنے والے اشخاص کی غذائیں ٹھنڈی اور قلیل الغذا ہوں اور بلغم آمیز خون رکھنے والے اشخاص کی غذائیں گرم، لطیف اور قلیل الغذا ہونی چاہیے۔''[۶]

حکیم محمد کبیر الدین فرماتے ہیں کہ:

''صفراوی مزاج انسان کی غذا سرد و تر، خونی مزاج کی غذا سرد اور خون کے جوش کو توڑنے والی، بلغمی مزاج کی غذا گرم اور بلغم کو لطیف بنانے والی اور سوداوی مزاج کی غذا تری اور گرمی پیدا کرنے والی ہونی چاہئے۔''[۷]

کوثر چاندپوری لکھتے ہیں:

''صفراوی مزاج اشخاص کو سردی اور تری پیدا کرنے والی اور دموی مزاج کو سردی پیدا کرنے والی اور خون کے جوش کو فرو کرنے والی غذا، سوداوی مزاج کو گرمی اور تری پیدا کرنے والی غذائیں کھانی چاہئیں۔''[۸]

ترجمہ وشرح کلیات نفیسی، حصہ اوّل میں حکیم محمد کبیر الدین لکھتے ہیں:

''صفراوی مزاج یعنی وہ لوگ جن کے مزاج میں صفراء غالب ہوگیا ہو اور وہ بہترین صحت [صحت فاضلہ] پر قائم نہ رہے ہوں، ایسے لوگوں کی غذا مبرد و مرطب ہونی چاہئے یعنی ایسے لوگوں کی غذا 'غذا دوائی' ہونی چاہیے جس کی کیفیت صفراء کی کیفیت کے مضاد [صفرا اگر حار یابس ہے تو اس کو بارد رطب ہونا چاہئے] تاکہ اس سے جو خلط پیدا ہو اس کی کیفیت صفراوی کیفیت کے مضاد ہو۔ دموی مزاج کی غذا سرد اور جوشِ خون کو بٹھانے والی ہونی چاہئے مثلاً سماقیہ جیسے کھٹے مزوّرات [مصنوعی شوربے]۔ بلغمی مزاج کی غذا مسخن وملطف [گرم اور بلغم کو لطیف بنانے والی] ہونی چاہئے۔ سوداوی مزاج کی غذا مرطب و مسخن [گرم تر] ہونی چاہئے۔''[۹]

افادۂ کبیر مفصل میں حکیم محمد کبیر الدین صفراوی، خونی، بلغمی اور سوداوی مزاج اشخاص کی غذا سے متعلق لکھتے ہیں:

''صفراوی مزاج انسان کی غذا سرد و تر، خونی مزاج کی غذا سرد اور خون کے جوش کو توڑنے والی، بلغمی مزاج کی غذا گرم اور بلغم کو لطیف بنانے والی اور سوداوی مزاج کی غذا تری اور گرمی پیدا کرنے والی ہونی چاہئے۔''[۱۰]

مزاج انسانی کو چار درجات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مزاج دموی، مزاج صفراوی، مزاج بلغمی اور مزاج سوداوی اور دموی انسان کا مزاج گرم تر، صفراوی مزاج کا گرم خشک، بلغمی کا سرد تر اور سوداوی کا سرد خشک ہوتا ہے۔ چنانچہ گرم تر مزاج یعنی دموی مزاج شخص کی غذا سرد خشک ہونی چاہیے اور صفراوی مزاج کی غذا سرد تر ہونی چاہئے۔ اسی طرح بلغمی مزاج انسان کی غذا گرم خشک اور سوداوی مزاج کی غذا گرم تر ہونی چاہئے۔ یعنی انسانی مزاج کے مخالف مزاج والی غذائیں ہونی چاہیے، کیونکہ اگر کسی شخص کا مزاج گرم تر ہے اور اگر اس کو گرم تر غذا دی جائے گی تو اس کو سوء مزاج گرم لاحق ہوجائے گا اور وہ بیماری میں مبتلا ہوجائے گا۔ اسی طرح سے صفراوی مزاج میں بھی سوء مزاج گرم خشک اور بلغمی مزاج میں سوء مزاج بارد رطب اور سوداوی مزاج میں سوء مزاج بارد یابس پیدا ہوجائے گا۔ اس لیے ان بیماریوں سے بچنے کے لیے انسان کو اپنے بدنی مزاج کے مخالف مزاج والی غذائیں استعمال کرنی چاہیے۔

مصادر و مراجع

۱- ترجمہ کلیات قانون، جلد اوّل، حکیم خواجہ رضوان احمد، آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ، لاہور، ۱۹۴۵ء، ص ۲۱۶

۲- کتاب الحاوی فی الطب، جلد ۲۳، طبع اوّل، ابوبکر محمد بن زکریا رازی، دائرۃ المعارف عثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۹۶۹ء، ص ۳

۳- ترجمہ کامل الصناعہ، جلد دوم، حکیم سیّد غلام حسنین کنتوری، منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۱ء، ص ۴۷ تا ۴۸

۴- کتاب المختارات فی الطب، حصہ اوّل، مہذب الدین ابوالحسن علی بن احمد بن علی بن ہبل بغدادی، اردو ترجمہ، سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ص ۲۰۵

۵- ترجمہ و شرح کلیات قانون، حصہ دوم، حکیم محمد کبیر الدین، دفتر المسیح، قرول باغ، نئی دہلی، ۱۹۳۲ء، ص ۵۷۷ تا ۶۷۷

۶- ترجمہ کلیات قانون، حکیم خواجہ رضوان احمد، آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ، لاہور، ۱۹۴۵ء، ص ۳۸۸

۷- موجز القانون، عربی و اردو، حکیم محمد کبیر الدین، دفتر المسیح، قرول باغ، نئی دہلی، ۱۹۳۰ء، ص ۱۰۹

۸- موجز القانون، کوثر چاندپوری، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۸ء، ص ۱۲۹

۹- ترجمہ و شرح کلیات نفیسی، حصہ اوّل، حکیم محمد کبیر الدین، دفتر المسیح، نوالامراء، حیدرآباد دکن، ۱۹۶۵ء، ص ۳۸۷

۱۰- افادۂ کبیر مفصل، شرح موجز القانون، طبع ہفتم، حکیم محمد کبیر الدین، مطبع رزاقی چوک، لکھنؤ، ۱۹۴۷ء، ص ۹۸

●●●

علم الجراحت کا ارتقاء قرونِ وسطیٰ میں

☆حکیم معراج الحق

☆حکیم امان اللہ

☆حکیم احمد سعید

دنیا کی بیشتر قدیم تہذیبوں میں فن جراحت کے وجود کے حقیقی یا معروضی شواہد موجود ہیں،لیکن مصری تہذیب میں اس کی قدامت شاید سب سے ٹھوس بنیادوں پر قائم ہے۔اڈون اسمتھ [۱۹۰۶ء-۱۸۲۲ء] کا بردی نوشتہ جو دو ہزار سال قبلِ مسیح سے بھی قدیم عہد کی تحریر ہے،[۱] اب تک دستیاب طبّی علوم کے تاریخی شواہد میں سب سے واضح اور پختہ ثبوت ہے۔یونانی طب میں بھی فنِ جراحت کی تاریخ کم وبیش اتنی ہی قدیم ہے۔قبلِ مسیح عہد میں علوم وفنون خصوصاً یونانی طب کے ارکانِ اربعہ سقراط[۴۶۹-۳۹۹ق م]،افلاطون [۴۲۸-۳۴۷ق م]،ارسطو[۳۸۴-۳۲۲ق م] اور بقراط[۴۶۰-۳۷۷ق م] کی کاوشیں بہت اہم ہیں۔

بقراط جس کی علمی کاوشوں سے اس طب کو ایک منظّم علم اور فن کی حیثیت ملی، خود قبلِ مسیح عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ان میں ارسطو نے دیگر علمی خدمات کے علاوہ بدنِ انسان کی ساخت سے متعلق جو تشریحی معلومات فراہم کی ہیں، وہ فنِ جراحت کی تدوین اور اس کی ترقی میں بہت اہم ثابت ہوئیں۔اس کے بعد جالینوس کی تشریحی معلومات نے فنِ جراحت کی ترقی میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔چونکہ جالینوس کے پیش کردہ اصول ونظریات صدیوں تک حرفِ آخر سمجھے جاتے رہے اور اصحابِ فن کا بڑا طبقہ جالینوس کی پیروی اور اس کے نظریات کی توضیح وتشریح کو ہی منتہائے علم سمجھتا رہا، اسی لیے طبّی علوم کی ترقی کی رفتار نہ صرف دھیمی ہوگئی، بلکہ اس پر جمود سا طاری ہونے لگا۔اسی لیے جالینوس کے بعد کئی صدیوں تک اس طب میں کسی قابلِ ذکر ترقی کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔مگر ظہورِ اسلام کے بعد 'تفکروا فی خلق السماوات والارض' کے زریں اسلامی اصول کے زیرِ اثر جب مسلم قوم تعلیم وتعلم کی طرف متوجہ ہوئی تو اس نے روایتی مذہبی علوم کے ساتھ ساتھ اس عہد کے رائج دیگر عصری علوم میں بھی دلچسپی لینی شروع کی اور بہت جلد ہر طرف ان علوم کے چرچے عام ہوگئے۔علمِ طب اور خصوصاً علمِ جراحت بھی اس علمی بیداری سے فیض یاب ہوا اور علم جراحت کا وہ قافلہ جو اہلِ فن کی دوں ہمتی کی بنا پر جمود کا شکار ہو چکا تھا، تیزی سے ترقی کی طرف گامزن ہوگیا۔امراء وسلاطین کی علم پروری اور علم دوستی کے نتیجے میں کیا عوام کیا خواص، سبھی اپنی دلچسپی کے علوم میں طبع آزمائی کرنے لگے۔اس سلسلے میں ایک اہم پیش رفت یہ ہوئی کہ طب کا بیشتر سرمایہ جو غیر ملکی زبانوں میں موجود تھا، اسے عربی کے قالب میں ڈھالا گیا اور اس کے مطالعہ کے بعد عربوں اور دوسری علم دوست قوموں نے اس میں تحقیق کا سلسلہ شروع کر دیا اور بہت ہی مختصر مدت میں وہ ان علوم کے امام بن گئے۔انھوں نے اسلاف کی خدمات کے

☆ ریسرچ آفیسرز [یونانی طب] سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسین ،نئی دہلی-۱۱۰۰۵۸

اعتراف اوران کے تئیں حد درجہ عقیدت و احترام کے اعتراف کے باوجود اندھی تقلید کو کبھی اپنا شعار نہیں بنایا، بلکہ اپنی تحقیق و تفتیش میں تجربات اور مشاہدات نیز عقلی دلائل پر زیادہ اعتماد کیا۔

علوم کے اس زریں عہد میں علمِ طب کے مختلف شعبوں کے علاوہ علم جراحت میں بھی گرانقدر اضافات ہوئے۔ یہ اضافات اس عہد میں رائج اعمالِ جراحت کی تہذیب واصلاح کے ساتھ ساتھ مختلف امراض کے علاج کے لیے نئے طریقوں کی دریافت اور ان اعمال کے لیے درکار مخصوص آلات کی ایجاد تک پھیلے ہوئے ہیں، جن کے نمونے اس عہد کے اطباء کی تحریروں میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ ذیل میں اطباء کی انہی تحریروں کی روشنی میں اس عہد کے اہم اضافات اوران کی تجدیدی کاوشوں کی ایک جھلک پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

قرونِ وسطیٰ کی اس سلسلے کی تصنیفات میں ایک اہم تصنیف ابوالقاسم زہراوی [۱۰۳۶ء-۹۳۶ء] کی 'کتاب التصریف لمن عجزعن التالیف' ہے۔ معالجات پر مشتمل اس کتاب کا تیسواں مقالہ جو تین ابواب میں منقسم ہے، علم جراحت پر مشتمل ہے۔اس مقالہ میں زہراوی نے پہلے باب میں امراض کے علاج میں عمل کی، دوسرے باب میں اعمالِ ید اور تیسرے باب میں کسر وخلع سے بحث کی ہے۔مصنف نے ان ابواب میں اعمالِ جراحت کا جس تفصیل سے ذکر کیا ہے، دیگر اطباء کی تحریروں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ دراصل مصنف نے نہ صرف علمِ جراحت کو ایک فن کے طور پر سیکھا، بلکہ اپنی معالجاتی زندگی میں اس کو عملاً برتا اور پھر اپنے سالہا سال کے تجربات کو اس مقالہ میں بڑے منظم اور سلیس انداز میں پیش کیا ہے۔ دورانِ علاج مرض اور مریض کی ضرورتوں کے پیش نظر نئے اعمال اور ساتھ ہی ان کے لیے مطلوب نئے آلاتِ جراحت کی ایجاد اور ان آلات کی باتصویر تفصیلات کا اضافہ، زہراوی کا فن کے ساتھ ساتھ آئندہ نسلوں پر عظیم احسان ہے۔

اس سلسلے کی دوسری اہم اور جامع تصنیف امین الدولہ ابوالفرج ابن القُف [۱۲۸۶ء-۱۲۳۳ء] کی 'کتاب العمدۃ فی صناعۃ الجراحۃ' ہے۔ یہ علم الجراحت کی مکمل اور جامع تصنیف ہونے کے ساتھ ساتھ علمِ جراحت میں اپنے عہد تک کی جملہ ایجادات و اکتشافات کی مکمل دستاویز ہے۔اس میں مصنف نے مختلف امراض کے جراحتی علاج کے بیان کے ساتھ دورانِ جراحت مستعمل مفرد اور مرکب ادویہ کی تفصیلات کو بھی پیش کیا ہے۔ فصد اور حجامت کی تمام جزئیات کی تفصیل، امراض کی تشخیصِ فارقہ کا بیان، جراحت میں مستعمل خیوط اوران کی اقسام نیز کے مختلف طریقوں کی تفصیل ابن القُف کے اہم اضافات ہیں۔

ابوبکر محمد بن زکریا رازی [۹۲۵ء-۸۶۵ء] کی تصنیف 'الحاوی الکبیر فی الطب' جو رازی کے معالجاتی تجربات کے ساتھ اُس عہد تک طبّی علوم کے ارتقاء اور اطباء کے افکار کی مکمل دستاویز ہے،فن جراحت سے متعلق رازی کے مشاہدات کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔

ابوعلی حسین بن عبداللہ ابن سینا [۱۰۳۷ء-۹۸۰ء] کی 'القانون فی الطب' کسی تعارف کی محتاج نہیں۔اس طبّی انسائیکلوپیڈیا میں ابن سینا نے فنِ طب کے جملہ مباحث کو انتہائی ایجاز کے ساتھ درج کیا ہے۔خصوصاً تشریحِ اعضاء پر مشتمل 'القانون' کا حصہ علمِ جراحت کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے علاوہ ابن سینا نے معالجاتِ امراض کے ذیل میں مختلف امراض میں مطلوب اعمالِ ید کو بھی بڑے اختصار کے ساتھ مگر بڑے علمی انداز میں درج کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

اس سلسلے کی ایک اور تصنیف علی ابن عباس مجوسی [۹۹۴ء-۹۳۰ء] کی کتاب 'کامل الصناعۃ الطبیۃ' ہے۔طب کے نظری وعملی، دو الگ حصوں پر مشتمل یہ تصنیف طب کے جملہ شعبوں کا احاطہ کرتی ہے۔اس میں مصنف نے اعضاء کی تشریحی معلومات کے تفصیلی بیان کے علاوہ علمِ جراحت کے لیے بھی ایک مستقل باب قائم کیا ہے، جس میں مصنف نے علمِ جراحت کے اصول ومبادی کے بیان کے ساتھ عملی جراحت سے بھی تفصیل سے بحث کی ہے اور مختلف امراض کے علاج میں درکار اعمالِ ید کے فرداً فرداً بیان کا بھی اہتمام کیا ہے۔

مذکورہ کتابوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان اطباء نے اپنے اسلاف کی تعلیمات کی روشنی میں نہ صرف اس فن کو دوبارہ زندہ کیا، بلکہ اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں اس فن میں اہم اضافات بھی کیے اور اپنے عہد کے محدود وسائل کے باوجود جراحتِ عمومی کو ترقی دینے کے ساتھ ساتھ جراحت کے نئے شعبوں میں بھی طبع آزمائی کی اور جراحتِ اصلاحی [Corrective Surgery] میں بھی خاطر خواہ پیش رفت کی، جب کہ یہ

تاثر عام ہے کہ جراحت کا یہ شعبہ مغرب کی نشاۃ ثانیہ کے بعد کی ایجاد ہے۔

درج ذیل سطور میں مذکورہ اطباء کی تحریروں کی روشنی میں جراحت کے اس شعبہ میں ان کے اضافات کی ایک جھلک پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تا کہ علمِ جراحت کے عہد بعہد ارتقاء کی تاریخ کی تعیین کے ساتھ جراحتِ اصلاحی میں اِن اطباء کے مرتبہ ومقام کا تعین بھی ہو سکے۔

نقص الشفۃ/شقاق الشفۃ [Cleft Lip]:

اس نام سے اس مرض کی خلقی اور اکتسابی اقسام کی تفصیل بیان کرنے کے بعد علاج کے ذیل میں رازی نے جالینوس کا بیان کردہ علاج نقل کرتے ہوئے احتیاطی تدابیر کا بھی اضافہ کرتا ہے اور اس سلسلے میں واقع ہونے والی ایک عام غلطی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی اصلاح کی ہدایت اِن الفاظ میں کرتا ہے:

''اس سلسلے میں رائج طریقہ صحیح نہیں، کیونکہ یہ لوگ نقص کی اصلاح کے لیے جلد کے ساتھ ہی لحم کا بھی کچھ حصہ کاٹ کر نکال دیتے ہیں پھر زخم کے دونوں کناروں کو قریب لا کر اس کی سلائی کرتے ہیں، جس کی وجہ سے ہونٹ چھوٹا ہو جاتا ہے''۔[۲]

زہراوی نے اس مرض کے علاج میں انہی عوارض کے پیشِ نظر 'عمل کئ' کو بہتر متبادل کے طور پر پیش کیا ہے۔[۳]

عقود الشفۃ [Cyst of Lips]:

ہونٹ کی اندرونی سطح پر مٹر کے دانوں کی شکل اور جسامت کے عقود [گانٹھوں] کا پایا جانا بہت عام ہے۔ یوں تو ان سے کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوتی، مگران کے اخراج کا طریقہ زہراوی نے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''بعض لوگوں میں ہونٹ کی اندرونی سطح پر سخت قسم کے چھوٹے عقود پیدا ہو جاتے ہیں، جو کم وبیش مٹر کے دانوں کی جسامت کے ہوتے ہیں۔ ان کو نکالنے کے لیے ہونٹ کو باہر کی طرف پلٹ کر عقدہ پر شگاف لگائیں پھر اسے منقاش سے پکڑ کر اس کے چاروں طرف کے انسجہ کو کاٹ کر عقود کو نکال لیں''۔[۴]

رباط اللسان [Tongue Tie]:

اس مرض کا ذکر کرتے ہوئے زہراوی لکھتا ہے:

''زبان کے نیچے موجود یہ رباط یا تو بچوں میں خلقی طور پر پائی جاتی ہے یا زخم کے اندمال کے نتیجے میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی جراحت کا طریقہ یہ ہے کہ مریض کا سر بغل میں دبا کر اس کا منہ کھولیں اور زبان کو اٹھا کر اس رباط کو عرض میں کاٹیں تا آنکہ زبان کی حرکت میں کوئی رکاوٹ نہ رہ جائے۔ البتہ رباط کو کاٹتے ہوئے زبان کی زیریں سطح پر موجود شریان کا دھیان رکھیں۔ رباط کاٹنے کے بعد زخم پر کتاں کی پٹی رکھیں اور یہ پٹی رات میں سوتے ہوئے بھی زبان کے نیچے رکھنے کی ہدایت کریں، ورنہ زخم کی سطحوں کے دوبارہ ملنے سے مرض دوبارہ عود کرنے کا امکان ہے۔ اگر کتاں کی پٹی پر شبِ یمانی کا سفوف چھڑک دیں تو یہ اندیشہ بھی ختم ہو جاتا ہے، قطعِ رباط کے نتیجے میں اگر نزفِ دم زیادہ ہونے لگے تو 'عمل کئ' کی مدد سے نزفِ دم کو روکیں''۔[۵]

انف واذن کے زخموں اس کے سلسلے میں زہراوی لکھتا ہے:

''ناک اور کان کی غضاریف میں تفرقِ اتصال لاحق ہونے کی صورت میں [بعد میں] جراحت بہت زیادہ مفید نہیں ہوتی۔ اس لیے ان اعضاء کے زخمی ہونے کی صورت میں پہلے یہ دیکھیں کہ زخم ابھی تازہ اور خون آلود ہے یا نہیں۔ اگر زخم خون آلود ہے تو فوراً ریشمی خیوط سے سلائی کر کے زخم کے دونوں کناروں کو یکجا کر دیں پھر حسبِ ضرورت دوسری ادویہ استعمال کریں۔ البتہ اگر زخم خشک ہو چکا ہو اور اس کے دونوں کنارے الگ الگ مندمل ہو چکے ہوں تو ایسی صورت میں زخم کے دونوں کناروں کی جلد کو چھیل کر مقامی جلد کی ضخامت کی مناسبت سے حسبِ ضرورت انسجہ کاٹ کر نکال دیں پھر دونوں کناروں کو یکجا کر کے سلائی کر کے اوپر سے پٹی باندھ دیں''۔[۶]

زخموں کے علاج کے سلسلے میں زہراوی کا بیان کردہ یہ اصول آج بھی رائج ہے۔ Healing by I & II intention کے عنوان کے تحت زہراوی کے مذکورہ بالا اصول کی معنویت کو آج بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔[۷]

ثالیلِ انف [Nasal Polyposis]:

اس کے متعلق زہراوی لکھتا ہے:

''یہ اکثر ناک کے کسی ایک جانب پیدا ہوتے ہیں، جو بہت جلد جسامت میں بڑھ کر [دیگر پریشانیوں کے علاوہ] بدنمائی کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس کا علم ہوتے ہی پہلی فرصت میں اسے جڑ سے کاٹ کر نکال دیں پھر اس جگہ کو حسبِ ضرورت یا تو داغ دیں یا پھر وہاں کسی مناسب محرق اور اکّال دوا کا سفوف چھڑکیں''۔

زہراوی مزید لکھتا ہے:

''اگر کسی وجہ سے یہ ثآلیل بروقت نکالے نہ جاسکیں اور جسامت میں بڑے ہوچکے ہوں تو علاج سے پہلے معالج کو یہ دیکھنا چاہئے کہ ثؤلول چھونے پر پتھری ساخت نیز رنگت میں سیاہی مائل اور اس کی حس میں کمی تو نہیں۔ اگر ایسا ہے تو ایسی صورت میں اس کی جراحت قطعاً ممنوع ہے کیونکہ یہ سرطانی ورم ہے، جس میں جراحت مریض کے لیے مہلک ثابت ہوگی۔ البتہ اگر ثؤلول میں مذکورہ صفات نہ ہوں تو ایسی صورت میں جراحت کے ذریعہ اس کا علاج ممکن ہے۔اس کے لیے پہلے دواؤں کے ذریعہ مادے کا استفراغ کریں بعدازاں حسبِ ہدایت ثؤلول کو کاٹ کر نکال دیں اور زخم کا مجفف اور قابض ادویہ سے علاج کریں''۔[۸]

مجوسی ثآلیلِ انف کے بجائے ثآلیلِ عمومی کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے علاج کے بارے میں لکھتا ہے:

''اِن کا علاج انھیں کاٹ کر نکالنا ہے۔ اس کے لیے ثؤلول کو دوسرے متصل انسجہ سے الگ کر کے مبضع کی مدد سے جڑ سے کاٹ دیں تاکہ اس کے عود کرنے کا امکان نہ رہ جائے۔مزید اطمینان کے لیے مکوٰۃ کو آگ پر خوب گرم کر کے اس جگہ کو داغ دیں''۔[۹]

ابن سینا اس مرض کا ذکر کرتے ہوئے اس کا دوائی علاج بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے:

''اکثر اس میں دوائی علاج مفید نہیں ہوتا اور عملِ ید ضروری ہوجاتا ہے''۔

مزید لکھتا ہے:

''اعمالِ ید کا طریقہ وہی ہوگا، جس کا ذکر بواسیر کے ذیل میں آچکا ہے''۔[۱۰]

امراضِ چشم کے ذیل میں شترہ [Ectropion] کے متعلق مجوسی لکھتا ہے:

''اگر یہ صورت کسی زخم کے اندمال کے نتیجے میں یا پھر اجفان کی سلائی [stitching] کرتے ہوئے زیادہ کھنچاؤ کی وجہ سے لاحق ہوئی ہو تو ایسی صورت میں مقامِ اندمال پر شگاف دیں تاکہ پپوٹے اپنی طبعی حالت پر واپس آجائیں اور شگاف کے دونون کناروں کے درمیانی خلا میں منبتِ لحم ادویہ کا فتیلہ رکھیں تاکہ دونوں کنارے آپس میں نہ ملنے پائیں، یہاں تک کہ زخم مندمل ہوجائے''۔

''یہ صورت بالائی اجفان کے لیے ہے، اسی طرح زیریں اجفان کے شترہ کی صورت میں مجوسی نے تین مختلف اور کافی مفصل اعمالِ جراحت بیان کئے ہیں۔[۱۱]

زہراوی نے بھی مجوسی کی طرح اس مرض کے علاج پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور بالائی وزیریں اجفان کے اعمال کو الگ الگ دو فصلوں میں بیان کیا ہے۔ زہراوی اس مرض کا علاج درج کرنے کے بعد جراح کو دعوت فکر دیتے ہوئے لکھتا ہے:

''مختصراً شترہ خواہ بالائی اجفان کا ہو یا زیریں، مرض کی نوعیت کے مطابق علاج کریں، کیونکہ شترہ کی مختلف صورتیں ممکن ہیں۔ ایک ماہر جراح اس کے لیے مزید نئے طریقے دریافت کرسکتا ہے۔ مقصد صرف یہ ہونا چاہئے کہ مرض کا بہتر سے بہتر علاج ہوسکے۔ بسا اوقات خود مریض جراح کو نئی راہ دکھا سکتا ہے اور کسی نئے آلہ کی ایجاد میں جراح کی رہنمائی کا سبب بن سکتا ہے''۔[۱۲]

علی ابن عیسیٰ کحال نے بھی اس مرض کے اسباب اور اس کی مختلف شکلوں سے تفصیلی بحث کی ہے اور پھر ان کے دوائی علاج کے علاوہ اعمال، جراحت کی مختلف صورتوں کو بھی واضح کیا ہے۔[۱۳]

ثالیلِ اجفان [Warts in the Eye Lids] کے متعلق علی بن عیسیٰ کحال لکھتا ہے:

''ثآلیلِ اجفان ماہیت کے اعتبار سے جسم کے دوسرے ثالیل جیسے ہی ہیں ان میں مقام مرض کے علاوہ کوئی فرق نہیں''۔

اس کا علاج بیان کرتے ہوئے کحال لکھتا ہے:

''ثؤلول کو منقاش سے پکڑ کر اٹھائیں اور مقراض کی مدد سے کاٹ دیں۔ اگر نزف دم زیادہ ہو تو شبِ یمانی کا سفوف چھڑک دیں اس سے خون بہنا بند ہوجائے گا''۔[۱۴]

ختان [Circumcision] کی تاریخ انتہائی قدیم ہے، جس کی تصدیق نبی کریم ﷺ کے قول ''خمس من الفطرۃ'' سے ہوتی ہے۔اس کے مختلف اعمال کا ذکر بیشتر اطباء کی تحریروں میں ملتا ہے، البتہ زہراوی کا طریقہ جسے اس نے 'التطہیر بالمقص والرباط بالخیط' کا نام دیا ہے، سب سے زیادہ مقبول اور آج تک رائج طریقہ ہے۔[۱۵]

ثقبۂ مجریٰ بول کی خلقی خرابیاں [Congenital Anomalies of Urethral Meatus]، جو مردوں میں مشاہدہ میں آتی ہیں، زہراوی نے انھیں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور Meatal Stenosis, Pin hole Meatus اور Hypospedias کی تینوں صورتوں

Glandular Penile اور Perinial Meatus کے متعلق لکھتا ہے:

''بعض مریضوں میں ثقبۂ مجری بول حشفہ کے زیریں جانب ہوتا ہے، جس کی وجہ سے ان کے پیشاب کی دھار سامنے کے رخ کی بجائے زیریں جانب ہوتی ہے۔ایسے مریضوں کے یہاں اولاد نہیں ہوتی، کیونکہ اس خرابی کی وجہ سے ان کی منی رحمِ مادر تک نہیں پہنچ پاتی ہے۔ یہ بڑی قبیح صورت ہے''۔[١٦]

اس کے بعد زہراوی نے اس کی تمام صورتوں کا انفرادی علاج بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

مجوسی نے خنثیٰ [Hermaphroditism] کی مختلف صورتوں کو چار بڑے گروہوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر ایک کی وضاحت کی ہے، پھر ان کے علاج کے متعلق لکھتا ہے:

''مردوں میں خنثیٰ کی وہ صورت جس میں نسوانی اعضاء کی موجودگی کے ساتھ ان سے بول کا اخراج بھی ہوتا ہو، ناقابلِ علاج ہے البتہ بقیہ صورتوں کی اصلاح حسبِ ضرورت جراحت سے ہو جاتی ہے''۔[١٧]

زہراوی بھی علی بن عباس مجوسی کی طرح خنثیٰ کی مختلف اشکال اور حسبِ ضرورت ان کا علاج بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے:

''مردوں میں نسوانی اعضاء کی موجودگی کے ساتھ ان سے بول کے اخراج کی صورت میں جراحت سے بھی اس کا علاج ممکن نہیں۔[١٨]

ابن سینا نے اس موضوع پر بڑے مختصر انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ لکھتا ہے:

''خنثیٰ کی ایک صورت یہ ہے کی مریض میں نہ تو مردانہ اعضاء تناسل ہوں اور نہ ہی زنانہ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں قسم کے اعضاء موجود ہوں مگر مردانہ اعضاء ترقی یافتہ شکل میں، جب کہ زنانہ اعضاء خفی حالت میں ہوں۔ تیسری صورت میں اس کے برعکس زنانہ اعضاء ترقی یافتہ شکل میں جب کہ مردانہ اعضاء خفی حالت میں ہوں، البتہ ان دونوں صورتوں میں بالترتیب مردانہ اور زنانہ اعضاء سے بول کا اخراج ہوتا ہو۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ مردانہ اور زنانہ دونوں طرح کے اعضاء موجود ہوں، مگر دونوں ہی غیر ترقی یافتہ شکل میں ہوں ۔ ان کا علاج اصولی طور پر یہی ہے کہ غیر ترقی یافتہ اعضاءِ تناسل کو عملِ جراحت کے ذریعہ کاٹ کر جسم سے الگ کر دیا جائے''۔[١٩]

رتقہ [Vaginal Atresia] کی مختلف صورتوں کو زکریا رازی نے بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے پھر ہر قسم کی علامات اور اس کے اعراض بیان کرنے کے بعد ان کا مفصل تذکرہ بھی کیا ہے۔[٢٠]

ابن سینا اس مرض کی تشریح کے بعد لکھتا ہے:

''اس کا علاج صرف دستکاری ہے''۔[٢١]

پھر تفصیل سے اس کی ممکنہ صورتوں اور ان کے اصولی علاج کے بیان کے بعد مختلف اعمال کی جزوی تفصیلات بیان کرتے ہوئے دورانِ جراحت مریضہ کی وضع سے لے کر اس عمل کے انجام تک سے بالاستیعاب بحث کرتا ہے۔

زہراوی اور مجوسی نے بھی اس کی خلقی اور کسبی، دونوں صورتوں کو واضح کرنے کے بعد ان کی نوعیت کے مطابق ان کے علاج میں مطلوب تراکیب اور اعمالِ ید نیز دوسری ضروری ہدایات بیان کی ہیں۔[٢٢،٢٣]

غیر طبعی اصابع [Abnormal Fingers] کے عنوان کے تحت انگلیوں کے مختلف خلقی و کسبی امراض نیز اصابعِ زائدہ کے متعلق مجوسی نے مفصل بحث کی ہے اور ان کی ساخت اور مقام کی وضاحت کرنے کے بعد فرداً فرداً ان کا علاج بھی بیان کیا ہے۔[٢٤]

اسی سلسلے کی ایک صورت اتصال الاصابع [Webbed fingers] کی ہے، جو خلقی اور اکتسابی دونوں طرح کی ہوتی ہے۔ زہراوی اس کا علاج بیان کرنے کے بعد اسی سے ملتی جلتی ایک اور صورت کے متعلق اپنی اجتہادی شان کا نمونہ اس طرح پیش کرتا ہے:

''فشق ذالک الالتحام علی حسب ماتہیأ و یصلح بہ شکل العضو''۔[٢٥]

اس جملے سے نہ صرف زہراوی کے اختراعی فکر کی عکاسی ہوتی ہے، بلکہ یہ سامنے والے کے لیے بہتر سے بہتر کر دکھانے کی ترغیب کے ساتھ اس کی فکر کے لیے مہمیز بھی ہے۔ شاید زہراوی کی اسی افتادِ طبع کی سے علمِ جراحت کو فردِ واحد سے نئے نئے اعمالِ جراحت کے علاوہ آلاتِ جراحت کا اتنا عظیم اور نایاب سرمایہ ملا جو کئی نسلوں کی ایجادات پر بھاری ہے۔

مجوسی نے مبرزِ غیر مثقوب [Imperforated Anus] کی خلقی اور اکتسابی دونوں صورتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس کے لیے درکار تراکیب اور علاج کو بھی اپنی کتاب میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔[٢٦]

زہراوی نے بھی اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''نوزائیدہ میں اس کا وقوع عام ہے۔ اس کے لیے فوری طور پر دایہ

انگلی یا رصاص کی سلائی کی مدد سے سوراخ کر دے اور بعد میں اس کی ضروری احتیاط برتے تو یہ علاج کافی ہوگا''۔[۲۷]

اورام وسلعات [Tumours]:

زہراوی نے ظاہر بدن خصوصاً سر اور بطن کے حصوں میں پیدا ہونے والے اورام وسلعات کو ان کی ساخت، جسامت، صلابت ولینت اور ملفوف وغیر ملفوف ہونے کے لحاظ سے انھیں مختلف گروہوں میں تقسیم کیا ہے اور علاج شروع کرنے سے پہلے ورم کے اندر موجود مادے کی نوعیت کی صحیح تشخیص کے لیے 'مدس' کے استعمال کی بھی ہدایت کی ہے۔ ورم کی نوعیت کی تشخیص کے بعد ان کے اخراج کے لیے زہراوی نے مختلف طرح کے شگاف [Incisions]، ان کے مقام نیز ان کی افادیت پر روشنی ڈالی ہے، ساتھ ہی ملفوف اورام کے علاج میں صنانیر کی مدد سے کیسۂ سلعہ کے اخراج کی بھی ہدایت کی ہے۔[۲۸]

مردوں میں عظمِ ثدیین [Gynaecomastia] کے بارے میں مجوسی اور زہراوی دونوں نے تفصیلی بحث کی ہے۔ مجوسی لکھتا ہے:

''بعض مردوں میں ان کے پستان کی جسامت بڑھ کر عورتوں کے پستان کی حد تک پہنچ جاتی ہے، جو انتہائی قبیح المنظر ہوتا ہے۔ اس مرض میں ثدیین میں شحمی انسجہ کا غیر طبعی اجتماع ہو جاتا ہے۔ اس خرابی کو دور کرنے کے لیے پستان میں ہلالی شگاف دے کر جلد کو ہٹا کر شحمی انسجہ کو کاٹ کر نکال لیتے ہیں، پھر جلد کی سلائی کر کے اس پر مناسب ادویہ کی پٹی کرتے ہیں۔ البتہ اگر پستان کے لٹکنے کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے پستان کے بالائی حصے کے مرکز سے دونوں جانب ہلالی شکل کے شگاف دیئے جائیں پھر جلد کو ہٹا کر شحمی انسجہ کو نکال کر اس کی سلائی کر دی جائے اور مناسب ادویہ کی پٹی کی جائے[جس سے پستان کے لٹکنے کا اندیشہ رفع ہو جائے گا]''۔[۲۹]

تقریباً یہی علاج زہراوی نے بھی اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔[۳۰]

موجودہ عہد میں رائج Mammoplasty بھی کم و بیش انہی اصولوں پر مبنی ہے۔[۳۱]

مذکورہ اقتباسات سے بجا طور پر عہدِ وسطیٰ کے اطباء کی فنی حذاقتوں اور ان کی اختراعی کاوشوں کا مرتبہ و مقام طے کیا جا سکتا ہے نیز تقریباً ایک ہزار سال قبل ان اطباء کے یہاں جراحت کے ارتقاء کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

علمِ جراحت کا ارتقاء یہیں تک محدود نہیں، تاریخ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہ صرف عہدِ وسطیٰ میں، بلکہ اس سے پہلے سے اطباء کے یہاں مصنوعی اعضاء کا نہ صرف تصور موجود تھا، بلکہ وہ اسے روزمرہ کی زندگی میں بکثرت استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ مصنوعی ہاتھ، پیر، انگلیوں، ناک، کان، دانت اور بالوں کے استعمال کا اس عہد کی تحریروں میں بکثرت ذکر موجود ہے۔

مصنوعی دانتوں کے سلسلے میں زہراوی لکھتا ہے:

''اگر کسی چوٹ کی وجہ سے دانت ہلنے لگے ہوں تو انھیں نکلوانے کی بجائے سونے کے تار کی مدد سے متصل اسنان سے باندھ کر دوبارہ مضبوطی دینا اور باقی رکھنا زیادہ بہتر ہے۔ البتہ اگر مصنوعی دانت ضروری ہوں تو بیل کی ہڈیوں سے بنے دانت زیادہ بہتر ہوتے ہیں ساتھ ہی انھیں سونے کے تار کی مدد سے مضبوطی دینا بھی ضروری ہے تاکہ دانت بلا کسی پریشانی کے زیادہ دنوں تک قابلِ استعمال رہیں''۔[۳۲]

مذکورہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہدِ جالینوس کے بعد علمِ جراحت اور عملی جراحت میں جو جمود آنے لگا تھا، ظہورِ اسلام کے بعد خصوصاً عربی عہد کے اطباء نے نہ صرف اس جمود کو توڑا، بلکہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے علمِ جراحت کے سفر کو دوبارہ جاری کرتے ہوئے اپنی تحقیقات اور نت نئے اضافات کی مدد سے اس فن کو ترقی کے اُس مقام پر پہنچا دیا، جس کا اُس عہد میں تصور بھی محال تھا۔

البتہ اِس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ سولھویں صدی آتے آتے دیگر علوم کے ساتھ علمِ جراحت پر بھی جمود طاری ہونے لگا اور بالآخر یہ فن اپنی سابقہ رعنائیوں کے باوجود قصۂ پارینہ بن کر تاریخ کے اوراق میں گم ہو گیا۔ چنانچہ بعد کے عہد میں اطباء نے اِس میدان میں کوئی اضافہ تو کجا، اپنے اسلاف کی میراث کی حفاظت بھی نہ کر سکے اور رفتہ رفتہ وہ اس فن سے بیگانہ ہوتے چلے گئے، البتہ اہلِ مغرب نے، جہاں علوم کی نشأۃ ثانیہ کا آغاز ہو چکا تھا، اطباء کی قائم کردہ بنیادوں پر اس فن کو آگے لے جانے کا بیڑہ اٹھایا اور Ambroise Pare [۱۵۱۰ء-۱۵۹۰ء] اور Andreas Vesalius [۱۵۱۴ء-۱۵۶۴ء] جیسے حوصلہ مند اہلِ علم کی تحقیقات نے علمِ جراحت کی ترقی کے نئے دروازے کھول دیئے۔ اس طرح اہلِ مغرب جدید جراحت کے موجد سمجھے جانے لگے، جب کہ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ علمِ

جراحت سے متعلق بیشتر امور قرونِ وسطیٰ کے اطباء کی تحریروں سے ہی مستفاد ہیں۔ البتہ اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں کہ مغرب میں علوم کی نشاۃ ثانیہ کے بعد جدید تشریحی معلومات اور مُردہ اجسام کی تشریح، ماہیتِ امراض کی تفہیم اور جدید جراحت کے ارتقاء میں کافی اہم ثابت ہوئیں۔

اس کے علاوہ نئے اور بہتر مخدرات اور Penicillin جیسی موثر جراثیم کُش ادویہ کی دریافت کے بعد علمِ جراحت کی ترقی کی رفتار کافی تیز ہوگئی، پھر گذشتہ صدی کے نصف آخر میں اطلاقی علوم کی بے مثال وسعت کے بعد تو علمِ جراحت نے اِس قدر تیزی سے ترقی کی کہ آج قرونِ وسطیٰ اور موجودہ عہد کی جراحت میں قدرِ مشترک کی شناخت بھی ایک دِقت طلب امر ہے۔

حوالہ جات

1. Russell, William & Bulstrode (2004) Bailey & Love's Short Practice of Surgery, Oxford University Press, New York, 24th Edition. p.257

۲- رازی، ابو بکر محمد بن زکریا [۱۹۵۸ء]: کتاب الحاوی فی الطب، جلد ۶، دائرۃ المعارف، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، دکن، ص ۲۱۸-۲۱۹

۳- زہراوی، ابوالقاسم خلف بن عباس [غیر مورخ]: کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف [تیسواں مقالہ]، مطبع نامی، لکھنؤ، جزء اول، فصل ۸۱، ص ۱۴

۴- کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف: جزء اول، فصل ۲۷، ص ۵۳

۵- ایضاً: جزء اول، فصل ۳۴، ص ۵۸-۵۹

۶- ایضاً: جزء اول، فصل ۲۶، ص ۵۳

7. Russell, William & Bulstrode (2004) Bailey & Love's Short Practice of Surgery, Oxford University Press, New York, 24th Edition. P.84

۸- کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف: جزء اول، فصل ۲۵، ص ۵۲-۵۳

۹- مجوسی، علی بن عباس [۱۲۹۴ھ]: کامل الصناعۃ الطبیۃ، جلد دوم، مطبع عامرہ، قاہرہ، مصر، ص ۴۶۸

۱۰- ابن سینا، ابوعلی حسین بن عبداللہ، القانون فی الطب، جلد سوم، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی، ص ۲۵۲

۱۱- کامل الصناعۃ الطبیۃ: ج ۲، ص ۴۷۳-۴۷۴

۱۲- کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف: فصل ۱۳-۱۴، ص ۱۳-۱۴

۱۳- کحال، علی بن عیسیٰ [۱۹۶۴ء]: تذکرۃ الکحالین، طبع اول، دائرۃ المعارف، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، دکن، ص ۹۲-۹۶

۱۴- ایضاً: ص ۱۳۹-۱۴۰

۱۵- کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف: فصل ۵۷، ص ۸۱-۸۳

۱۶- ایضاً: فصل ۵۵، ص ۸۰

۱۷- کامل الصناعۃ الطبیۃ: ج ۲، ص ۴۸۸

۱۸- کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف: فصل ۷۰، ص ۹۵-۹۶

۱۹- القانون فی الطب: ج ۳، ص ۸۱۶

۲۰- کتاب الحاوی فی الطب، جلد ۶۹، طبعِ اول، دائرۃ المعارف، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، دکن، ص ۲۱-۲۲

۲۱- القانون فی الطب: ج ۳، ۴، ص ۸۸۱-۸۸۳

۲۲- کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف: جزء دوم، فصل ۲۷، ص ۹۶

۲۳- کامل الصناعۃ الطبیۃ: ج ۲، ص ۴۸۸

۲۴- ایضاً: ج ۲، ص ۴۸۰

۲۵- کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف: جزء دوم، فصل ۷۹، ص ۱۰

۲۶-۲۵- کامل الصناعۃ الطبیۃ: ج ۲، ص ۴۹۱

۲۷- کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف: جزء دوم، فصل ۷۹، ص ۱۰

۲۸- ایضاً: جزء اول، فصل ۴۱، ص ۶۵-۶۶

۲۹-۲۵- کامل الصناعۃ الطبیۃ: ج ۲، ص ۴۸۰

۳۰- کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف، جزء اول فصل ۴۷، ص ۴۷

31. Ahmad, Z.(2007), "Al-Zahrawi - The Father of Surgery" ,ANZ Journal of Surgery Vol. 77, Issue Supplements 1, May 2007,p A83,

۳۲- کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف: جزء اول، فصل ۳۳، ص ۵۷-۵۸

●●●